قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا، اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

3/96

ماہنامہ

المرشد

لاہور

تصوف کیا نہیں

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دُنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے، نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے، نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت رَوا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پُوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباعِ سُنّت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اُترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوفِ اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔

(دلائل السلوک)

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

اداریہ

مسلمان ماہرین معیشت کہاں ہیں؟

روز اول سے پاکستان کا اقتصادی نظام جاگیرداروں اور انگریز کے تربیت یافتہ بیوروکریٹس کے قبضے میں ہے۔ ایک طرف ہمارے اقتصادی بصیرت سے عاری سیاست دان و حکمران ملک کے اقتصادی نظام کو غیر ملکی قرضوں (AID) کے سود میں بیچتے چلے آرہے ہیں تو دوسری طرف ہمارے مذہبی رہنماؤں' جماعتوں اور درس گاہوں نے اسلام کے اقتصادی نظام کو زکوۃ' خیرات' صدقات اور قربانی کی کھالوں میں مقید کر رکھا ہے۔

جہالت سے آزادی اور علم کی روشنی جو کسی قوم کی معاشی ترقی کی طرف سوچ پیدا کرنے میں پہلا اور بنیادی قدم ہوتا ہے۔ ہمارے حکمران' بیوروکریٹس' اور جاگیردار قوم کو علم کی روشنی سے محروم رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں تو ہمارے مذہبی رہنما اور خانقاہوں کے مجاوران کے تعاون میں پیش پیش ہیں۔

بغیر علم کے ماہرین پیدا نہیں ہوتے' یہ کوئی خودرو جڑی بوٹی نہیں۔ ان کو پیدا کیا جاتا ہے۔ کسی قوم میں Talent کی آبیاری کرنے سے ہر شعبہ زندگی میں ماہرانہ لیڈر شپ پیدا ہوتی ہے۔ اور ماہرانہ لیڈر شپ کے بغیر معاشی ترقی کے لئے صحیح سمت میں اور قابل عمل منصوبہ بندی ممکن نہیں۔ لیکن ماہرین کو ذہنی تخلیق کے قابل بنانے کے لئے جن تحقیقی اداروں اور مالی آسودگی کی ضرورت ہوتی ہے وہ فضا اس ملک خداداد میں کبھی پیدا ہی نہیں ہونے دی گئی۔ یہاں Talent کی جو بے قدری ہوتی رہی اور ہو رہی ہے اس کے نتیجے میں گذشتہ نصف صدی سے اس ملک سے BRAIN DRAIN کا سلسلہ جاری ہے اور یوں پاکستان اپنی اقتصادی پلاننگ کے لئے ایسے ماہرین معیشت سے اب تک محروم ہے جو ملک کے لئے ایسا اقتصادی نظام تخلیق کرتے جو ایک طرف تو اسلام کی پاکیزگی اور انصاف سے مزین ہوتا تو دوسری طرف عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ مسابقت کی قوت بھی رکھتا۔ لیکن اب تک ہمارا ہر حکمران ہر اس ادارے اور فضا کو تباہ کرتا رہا جہاں ایسے ماہرین معیشت پیدا ہو سکتے ہیں۔ عالمی سرمائے کا معاشی نظام جو خاموشی کے ساتھ ایک عرصہ سے ہمارے نظام کی بنیادوں میں گھستا چلا آرہا تھا۔ اب ڈنکے کی چوٹ وہ ہماری سیاست' حکومت' معیشت' معاشرت اور مذہب پر قابض ہو چکا ہے۔ اس حالت تک پہنچ کر اب دفاع کے لئے ماہرین کہاں سے لائیں؟

تاج رحیم

ظلم کے خلاف ڈٹ جاؤ

(الاخوان کے عہدیداروں سے خطاب)

مولانا محمد اکرم اعوان

آج کا یہ اجتماع الاخوان کے ذمہ دار احباب کو ان کے فرائض پر اور اس کے طریق کار پر مطلع کرنے کے لئے طلب کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں ایک الجھاؤ ہے ایک کنفوژن (Confusion) ہے اس بات میں کہ ایک آدمی جو دیندار ہے نیک ہے شریف ہے صالح ہے وہ بھلا معاشرے کے جو امور ہیں ان میں دخل اندازی کیوں کرے اس کا تو وقت ضائع ہو گا اس کا دامن داغدار ہو گا اس پر لوگ کیچڑ اچھالیں گے تو اس طرف کیوں آئے اس سے تو بہتر ہے کہ وہ تسبیحات پڑھے تلاوت کرے اور ذکراذکار کرے یہ بات اس برصغیر میں انگریز کی آمد کے بعد پیدا ہوئی ہے اس سے پہلے کہیں نہیں تھی اکابر صوفیاء میں بھی ہمیں جو لوگ گوشہ نشین ملتے ہیں یا جنگلوں میں جا کر جنہوں نے قیام گاہیں بنا لیں جن میں بہت بڑے بڑے نام بھی ہیں مثلاً" بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ جیسے لوگ۔ ان کی کچھ مجبوریاں تھیں ہر وہ صوفی جو آبادی سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہوا اسے اس وقت کی حکومت نے آبادی سے نکالا اور اس کے نکلنے کے اسباب یہ بنے کہ حکومتیں جو ظلم کرتی تھیں وہ ان کی نشاندہی کرتے تھے انہیں اس سے باز رہنے کے لئے کہتے تھے۔ مگر ان کے پاس اتنی جمعیت نہیں ہوتی تھی کہ وہ حکومت کا مقابلہ کر سکتے تو انہیں حکومت نکال دیتی تھی لیکن جن کے پاس طاقت ہوتی تھی اتنے شاگرد یا طالب علم یا اتنے فیض حاصل کرنے والے لوگ ہوتے تھے جیسے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ تو ایسے لوگوں کو حکومتیں نکال نہیں سکتی تھیں۔ حکمران اپنی اصلاح کیا کرتے تھے بلکہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک پورا صوبہ نیم روز جیسے کہتے ہیں وہ "تحفتہ" بادشاہ نے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کو دینا چاہا۔ بادشاہوں کے تحفے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اگلے کی زبان بند کر دی جائے تو انہوں نے فرمایا میرے پاس نیم شب کی سلطنت ہے مجھے نیم روز کی ضرورت نہیں ہے ان کی ایک مشہور رباعی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نیم شب کا سلطان ہوں میرے پاس بہت بڑی سلطنت ہے اس لئے مجھے آپ کے نیم روز کی ضرورت نہیں ہے تو ان لوگوں کے مقاصد نہ حصول اقتدار ہوتا ہے نہ مال دولت جمع کرنا ہوتا ہے لیکن سب سے بڑی عبادت' افضل ترین جہاد' سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے ظلم کو اور ظالم کو دور کیا جائے اور اگر ظلم کرنے والا بھی آپ کا مسلمان بھائی ہو تو پھر اس کی مدد کرو' وہ ظالم ہے یا مظلوم تو عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے ظالم کی مدد ہم کیسے کریں فرمایا اسے ظلم سے روک کر۔ ظالم کی مدد یہ نہیں ہے کہ وہ ظلم کر رہا ہے اور آپ بھی اس میں شریک ہو جائیں اور مزید ظلم ڈھانے لگیں نہیں اسے ظلم سے روکنا اس کی مدد ہے تو تمام سلاسل

تصوف میں جتنے لوگ ہیں اور جتنے اکابر آئمہ ہیں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے بڑا صوفی کون ہو گا جنہوں نے احقاق حق کے وہ انداز اور وہ معیار قائم فرمائے کہ حکومت نے تنگ آ کر انہیں اپنا چیف جسٹس قاضی القضاۃ لینا چاہا کہ سرکاری ملازمت میں آ جائیں گے سرکاری دباؤ میں آ جائیں گے فرمایا نہیں میں سرکاری ملازمت نہیں کروں گا اس پاداش میں جیل بھیج دیئے گئے جیل میں بھی حکومت کو اتنا کھٹکا تھا کہ انہیں زہر دلوا کر شہید کر دیا گیا یہ شخص جیل میں رہ کر بھی انقلاب بپا کر دے گا اگر وہ تسبیحات پڑھتے تو کسی کو کیا تکلیف تھی کسی حکومت کو، کسی معاشرے کو، کسی ماحول کو ان سے کیا عداوت ہو سکتی تھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام اگر صرف دین بیان کرتے رہتے اور معاشرتی برائیوں پر وہ گرفت نہ فرماتے تو اہل مکہ کو بھی کوئی تکلیف نہیں تھی مکہ میں صرف ایک دین نہیں تھا اتنے بت پوجے جاتے تھے جتنے مذاہب دنیا میں تھے۔ اور مکہ میں تقریباً سارے ہی موجود تھے۔ سب کا گزارہ ہو رہا تھا لیکن ان کا جو ایک سسٹم تھا ایک نظام تھا جو نہایت ظالمانہ تھا وہ حکومتی انداز آپ کہہ لیں سسٹم آف رولنگ کہہ لیں اس میں قانون، معاش، وہ ساری چیزیں عدالت سب کچھ تھا اس نظام کو سب نے قبول کر رکھا تھا خواہ وہ عیسائی تھے یہودی تھے خواہ وہ بت پرست تھے آتش پرست تھے خواہ وہ ستارہ پرست تھے یا جنوں کی پوجا کرنے والے تھے ہر مکتب فکر نے سوسائٹی کے اس انداز کو قبول کر رکھا تھا نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے نہ صرف اللہ کی ذات اور صفات بیان کیں بلکہ ان مظالم کی نشان دہی بھی کی اور حلال اور حرام کو الگ کر دیا اور بندوں کی خدائی کو چیلنج کیا بندوں کی بندوں پر حکومت کو چیلنج کیا کسی بندے کو دوسرے بندے پر حاکم بننے کی اجازت نہیں ہے بندے سب بندے ہیں فرائض الگ الگ ہیں اگر کسی کے ذمے کوئی لگتا ہے فریضہ تو وہ حاکم ہے اس کو حکومت ہے تو **سید القوم خاد مھم** ۔ اگر کسی قوم کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ سمجھے میں ان کا ملازم ہوں **سید القوم خاد مھم او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** ۔ کہ کسی کو سلطنت بھی مل جائے تو اس کا مطلب ہے اس کا وقت اپنا نہیں رہا وہ دوسروں کی خدمت پر مامور ہے ان کا خود کو ان کا ملازم سمجھے خدا نہ بن بیٹھے دین اسلام نے جو انقلاب پیدا کیا وہ یہی تھا اگر یہ بات نکال دیں تو قیصر و کسریٰ شکست کھا گئے ایک اور کسریٰ نہ سہی ایک اور اسلامی نام کی ریاست بن گئی اگر دستور اگر انداز، اگر کاروبار، اگر معاملات، اگر عدالتیں، سب کچھ وہی رہے تو کیا فرق پڑا؟ فرق یہ پڑا کہ جو مظالم ابوجہل کرتا تھا وہ دنیا کے سر سے اٹھ گئے جو ظلم قیصر و کسریٰ کرتے تھے ان کی زنجیریں لوگوں کے گلوں سے توڑ کر اتار دیں یہی بات قرآن حکیم نے کہی ہے کہ وہ ان کی گردنوں کے بوجھ اتارتے ہیں اور وہ زنجیریں جن میں اللہ کی مخلوق جکڑی ہوئی ہے وہ میرے بندوں نے توڑ دیں میرے حبیب نے توڑ دیں ان کے گلوں سے اتار دیں۔ قرآن حکیم کے الفاظ اس طرح سے ہیں ایک نقص ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم معاشرے میں ملتے ہیں معاشرتی کام کرتے ہیں تو مشاہدات اور کشف متاثر ہوتا ہے اس پہ گرد پڑتی ہے لیکن منازل جو ہیں وہ ان میں ترقی ہوتی ہے ترقی درجات ہوتی ہے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کئی بار فرمایا کرتے تھے اور کئی مسائل میں حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے اور بعض مسائل میں ایک انداز ہوتا تھا اس وقت ہمارا تحقیق کا حضرت کتابوں میں سے لائبریری میں سے علمی طور پر تحقیق فرماتے پھر اس فن کے جو لوگ تھے ان سے ہم برزخ میں رابطہ کرتے پھر ان سے پوچھتے کہ آپ نے اس موضوع پہ کیا تحقیق فرمائی کیا حاصل ہوا اس طرح کر کے تو ایک خلاصہ یہ جو آپ کے پاس کتابیں حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی پہنچیں یہ ساری اس طرح کی تحقیقات ہیں انہیں ظاہری طور پر مطالعہ سے بھی اور پھر جس مصنف کی قدیم مصنف کی وہ کتاب تھی خود اس سے بات کر کے تو اس انداز میں کئی دفعہ حضرت بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی بات ہوئی تو وہ فرماتے تھے کہ میں جب

سے آ کر تنہائی میں یہاں بیٹھ گیا ہوں منازل میں ترقی نہیں ہوئی جن مقامات پر میں نے آبادی کو چھوڑا ہے اگرچہ چھوڑا مجبوا" ہے حکومت نے آبادی میں رہنا (Ban) کر دیا تھا اس کے باوجود چونکہ ترقی کا انحصار عمل پر ہے اور عمل معاشرے میں ہوتا ہے آپ کسی سے خریدتے ہیں کسی کو بیچتے ہیں کسی سے دوستی کرتے ہیں کسی سے دشمنی کرتے ہیں کسی کو آرام پہنچاتے ہیں یا کسی سے ظلم دور کرتے ہیں یا کسی مسکین کی مدد کرتے ہیں تو وہ جو اعمال حسنہ آپ معاشرے میں کرتے ہیں وہ ترقی درجات کا سبب بن گئے ذکر جو ہوتا ہے یہ ہوتا ہے کہ جو کام ہم کرتے ہیں اس میں خلوص کی گہرائی آ جائے آپ عملی زندگی سے الگ ہو جائیں نرا ذکر کرتے رہیں تو اس سے درجات میں بلندی یا ترقی نہیں آئے گی اس سے قلب شفاف ہوتا جائے گا مشاہدات بڑھتے جائیں گے چیزیں زیادہ نظر آنے لگیں گی لیکن اگر آپ اقربیت پر ہیں لوگوں سے الگ ہو گئے ساری عمر رات دن ذکر ہی کرتے رہے بیٹھے اقربیت پر ہی رہیں گے وہ شفاف ہوتی چلی جائے گی۔ منور ہوتی چلی جائے گی مضبوط ہوتی چلی جائے گی۔ اور میں نے دیکھا ہے اس گوشہ نشینی میں برصغیر کی اس دو سو تین سو سالہ تاریخ میں آٹھ نو نام ایسے ملتے ہیں جنہیں منازل بالا نصیب ہوئے یہ باقی جتنے جن کے بڑے بڑے عرس ہوتے ہیں ان میں سے جو بہت بلندی پر پہنچے بزرگ وہ فنا بقا تک ہیں اور فنا بقا ابجد ہے سلوک کی۔ اس کا سبب کیا ہے جن کو ترقی نصیب ہوئی وہ اس عہد کے لوگ ہیں کہ جب حکومتوں اور سلاطین کو مصیبتیں ڈال کے رکھتے تھے جیسے مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اس طرح کے آٹھ نو نام ملتے ہیں پورے برصغیر میں اور جب سے یہ انداز شروع ہوا گوشہ نشینی کا تو بڑا کسی نے تیر مارا تو شیخ اپنی توجہ سے اسے فنا بقا تک لے گیا گنتی کے چند لوگ سالک المجذوبی پر ملتے ہیں کچھ فنا بقا پر اکثریت اس سے نیچے، کچھ سیر کعبہ پر کچھ مراقبات ثلاثہ پر اور پھر بے شمار مخلوق ایسی آ جاتی ہے جو صرف ساری عمر لطائف کرتے رہے یا قلب کرتے رہے سات لطائف بھی کسی نے نہیں بتائے ہمیں جب حضرت رحمتہ اللہ علیہ ارواح سے کلام کرنا سکھاتے تھے ایک فن ہے ہم نے سکھانا چھوڑ دیا ہے اس لئے کہ اس میں بہت زیادہ احتیاط بہت بڑے حوصلے بہت بڑے ضبط، تحمل اور بہت بڑے ایک کنوئیں جتنے پیٹ کی ضرورت ہے کہ جو بات آئے اس میں غائب ہوتی چلی جائے۔ ڈھنڈورا پیٹنے والوں کے لئے یہ نہیں ہے تو حضرت سکھایا کرتے تھے ہمیں باقاعدہ تو وہاں ایک مزار ہے گاؤں سے باہر اسی سے ابتدا کرتے تھے اور جسے بھی سکھاتے تھے چلو جی ان کے پاس چلتے ہیں وہ شخص تلہ گنگ کے قریب کا رہنے والا اس کی وفات وہاں ہوئی وہ تلہ گنگ سے تلاش کرتا کرتا اس زمانے میں پیدل دہلی گئے دہلی انہیں کوئی شیخ جو نصیب ہوئے انہوں نے فنا فی الرسول تک مراقبات کرائے انہیں اور پھر حکم دیا کہ اب واپس نہ جانا ورنہ یہ بھی کھو بیٹھو گے ساری عمر شادی نہیں کی۔ واپس گھر نہیں گئے ساری عمر صرف اللہ اللہ کی لیکن جہاں شیخ نے چھوڑا تھا وہاں سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا نکاح ثانی کرنے کا بیوی فوت ہو گئی تو کسی نے پوچھا آپ اس عمر میں نکاح کریں گے فرمایا اگر میں مرنے کے قریب ہوں اور مجھے پتہ چلے کہ میں دو چار گھنٹے میں مر جاؤں گا اور میری بیوی فوت ہو چکی ہو تو میں ارادہ کروں گا کہ یہ دو چار گھنٹے کے لئے کوئی میرے ساتھ نکاح مرنے تک کر لے۔ وہ کیوں بھئی؟ اس نے کہا حضور کا حکم موجود ہے کہ شادی کا بوجھ اٹھا کر جو ایک سجدہ کرتا ہے وہ غیر شادی شدہ کے سینکڑوں سجدوں سے بہتر ہے یعنی یہ بندہ جو عبادت کرتا ہے اتنی ذمہ داریاں ساتھ لے کر ایک خاندان کو پالنے کی ان کے تحفظ کی یعنی معاشرے کی ذمہ داریاں اٹھا کر عبادت کرنا جو ہے وہ اصل کام ہے اور عبادت کا مقصد اور حاصل یہ ہے کہ اللہ کا وہ قرب نصیب ہو جائے کہ معاشرے کے کاموں میں بندہ اللہ کی اطاعت کرے ذکر ہو نماز ہے روزہ ہے فرائض ہیں یا نوافل ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ان کی طفیل بندے کا اللہ

سے وہ قریبی تعلق ہو جائے کہ جب وہ بازار میں جائے وہ معاشرے میں جائے تو پتہ چلے یہ اللہ کا بندہ ہے ظلم کے خلاف ڈٹ جائے نیکی کی ترویج کا وہ مجسم وعظ بن جائے اور معاشرے میں اللہ کی حکومت قائم کرنے کا سبب بنے تو ہمارا اصل مقصد اور اساس ذکر الٰہی ہے ابھی اس پروگرام میں ساتھیوں نے الاخوان کی تربیت کے کچھ پیریڈ زائد کئے تو میں نے کٹوا دیئے کہ یہ الاخوان کا کام آپ اپنے اوقات میں کریں گھروں میں بیٹھ کر کریں الاخوان کے اپنے اجتماعات کریں اس میں کریں یہ پروگرام جو ہے یہ بنیادی طور پر ذکر کا پروگرام ہے اور اس کی بنیادی توجہ جو ہے وہ ذکر پر ہے الاخوان کو بھی خالص اور کھرے مسلمان چاہئیں ٹوٹل نہیں چاہئے ہمیں مروجہ طریقے سے الیکشن نہیں لڑنا ہے ہمیں کوئی افراد سے چندہ جمع کر کے دولت نہیں جمع کرنی ہے ہمیں محض ایک لشکر نہیں بنانا ہے بلکہ ہمیں تو وہ لوگ چاہئیں جو نہایت خلوص سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ کریں اور اس ظالمانہ نظام کو اور اس ظلم کو جس کے شکنجے میں آج ہم ہیں بات کرنے کو جی نہیں چاہتا آج یہ حال ہے میں مغربی ذرائع ابلاغ سن رہا تھا میں ہندوستان کو بھی سنتا ہوں مغرب کو بھی سنتا ہوں ان کا جو کمپیرنگ کر رہا تھا بندہ۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ خود لعنت کر رہا تھا اہل مغرب کو ہی اور کہہ رہا تھا کہ بوسینا میں مسلم آبادی میں کوئی خاتون ایسی نہیں رہی جس کی بے حرمتی نہ کی گئی ہو۔ کیا فائدہ ان تسبیحات کا؟ کیا یہ پرسش نہیں ہو گی؟ تم نری تسبیح چلاتے رہے۔ محمد الرسول اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دندان مبارک شہید کرائے۔ رخ انور زخمی کرایا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ٹکڑے سمیٹ کر کفن میں گٹھری باندھ کر دفن کئے اور اتنا دکھ لگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ ان کافروں کا میں یہ حال کروں گا اور پھر اس قسم کا کفارہ دیا یہ سارے لوگ کیا تھے؟ کیا یہ صوفی نہیں تھے؟ کہاں سے آتا تھا تصوف؟ کیا بلا ہے جو سنت حبیب سے دور کر دے اس تصوف کی کیا ضرورت؟ سارا کچھ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جانے کے لئے ہے تو میرے بھائی اصل بات تو یہ ہے کہ یہ بات میں بوسینا کی کر رہا ہوں کبھی آپ نے اس ملک کو دیکھا میں کسی حد تک باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہوں جو کل پرسوں آپریشن شروع ہوا ہفتہ دو ہفتے ڈیڑھ ہفتے پہلے اس کا مجھے علم نہیں ہے اس سے پہلے ہاؤسنگ سوسائٹی جو ہے وہ سب سے محفوظ ترین جگہ ہے کراچی کی اکثر آرمی آفیسرز ہیں اکثر وزراء کرام ہیں حکومت کی ایجنسیاں بھی زیادہ دھیان رکھتی ہیں۔ پھر ایک سائڈپہ بھی ہے کوئی لوفر لفنگوں کا وہاں گزر نہیں وہاں کا حال یہ تھا مجھے کراچی کے ایک صاحب نے بتایا کہ ایک گاڑی جا رہی تھی اس میں ماں بیٹی سوار تھیں تو دو آدمیوں نے گاڑی روک لی کھڑکی کھولی اسے کہا بیٹی کو اتار دوں کل شام اس وقت یہاں سے اسی چوک سے لے جانا تو اس نے اس کی والدہ نے منت کی وہ بچی رونے لگی کم عمر بچی تھی وہ رونے لگی والدہ نے منت کی تو انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا "یار اس کی ماں بھی ہے تو جوان۔ یہ خواہ مخواہ روتی رہے گی بیٹی کو دفعہ کرو بی بی تم ہی آ جاؤ۔ کل شام ہم تمہیں یہاں چھوڑ جائیں گے۔ ڈرائیور کو کہو بچی کو لے جائے گاڑی بھی لے جائے" آپ کے اس ملک کا یہ حال ہے۔ اگلے دن راولپنڈی میں جو قمار باز پکڑے گئے ان میں ایک اے۔ ایس۔ آئی ہے اس سے پہلے دن جس جوئے کے اڈے پہ چھاپہ پڑا وہ ایک وزیر پرانے مسلم لیگی وزیر صاحب چلا رہے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم کس بات کا انتظار کریں لوگ اپنی بچیوں کو کالج بھیجتے ہیں اور امراء اور وزراء کالج سے ہوسٹلوں سے بچیاں لے جاتے ہیں اس سے زیادہ اور کیا ہو گا۔ کوئی شہر کوئی قریہ کوئی مدرسہ کوئی ادارہ محفوظ ہے؟ جہاں بغیر رشوت کے، بغیر بے ایمانی کے، بغیر ظلم کے کہیں کوئی کام ہو رہا ہو؟ تو اس کے لئے کون فرشتے نازل ہوں گے؟ یہ بھی یاد رکھئے یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ظالم جو ہے وہ تو ظلم کر رہا ہے اسے آپ دو چار پانچ دس آدمی اٹھ کے مالاکنڈ کی طرح نعرہ لگا کے دس پندرہ

بندے قتل کرا کے بیٹھ جائیں یہ صحیح طریقہ نہیں ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت ایسے نہیں ہے بلکہ ضرورت ہے کہ کم از کم ایک قابل اعتبار قوت ایک ٹرینڈ اور سلجھے ہوئے لوگ مخلص اور کھرے اور صحیح درد دل رکھنے والے پھر وہ بھی کم از کم اس تعداد میں ہوں کہ وہ جواب دے سکیں یا رکاوٹ ڈال سکیں محض مسلمانوں کو جمع کر کے مروا دینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اس سے اخباروں میں نام تو آجائے گا شہرت ہو جائے گی بی بی سی سے باتیں ہوں گی لیکن مقصد پورا نہیں ہو گا اس مقصد کے لئے آپ احباب کو جمع کیا جاتا ہے کہ یہ مقصد لوگوں کو بتائیں یہ کتنا سادہ سا اصول ہے اسلام کا کہ جو زمین کوئی کاشت کر سکتا ہے وہ اس کی اپنی ہے جسے وہ استعمال ہی نہیں کر سکتا اس پر کیوں قابض ہے ان کو دے جو غربا بیٹھے ہیں اگر کوئی سو مربع رکھتا ہے تو سو مربع کاشت کر کے محنت کر کے اپنی موٹریں اپنی بنائے سو مربع پر جب وہ کاشت کرے گا تو اسے اتنی مخلوق بھرتی کرنی پڑے گی کہ سب کا حصہ ان کے پاس پہنچ جائے گا اور اگر وہ خود نہیں کرتا خود کہتا ہے میں تو جی سیاست کروں گا کوئی کرے۔ پھر وہ ان کی عزت سے بھی کھیلے آبرو سے بھی فرعون بن کر بیٹھے تو اس کی اجازت قرآن نہیں دیتا اسلام نہیں دیتا اجارہ داری کی اجازت نہیں دیتا اس لوٹ مار کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک آدمی کروڑ پتی بنتا چلا جائے اور دوسرے افلاس میں دھنستے چلے جائیں اس کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ ایک آدمی کے گرد تو سارے ملک کی گارڈیں لگی ہوں اور دوسرے لوگوں کو جس کو جی چاہئے لوٹ لو اور جو چاہے کر لو۔ انہیں پوچھنے والا ہی کوئی نہ ہو بلکہ اسلام تو جس جو کی روٹی اہل مدینہ کو دیتا ہے اسی جو کو کھانے پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مجبور کرتا ہے خواہ اسے ہضم ہو یا نہ ہو۔ ہم مسلمان ہیں تو نفاذ اسلام ہم پر فرض عین ہے بلکہ قانون یہ ہے کہ جہاں اسلام نہیں لا سکتے تم وہاں سے چلے جاؤ جہاں اسلام پر عمل ممکن نہ ہو۔ یا تو اس جگہ کو چھوڑ دو یا جہاں تم رہو وہاں اسلام رہے۔ بڑی سادہ سی بات ہے کہتے ہیں کہ فرشتہ پوچھے گا عندالموت پوچھتا ہے **فی ماکنتم** کیا کرتے رہے تم۔ جھک مارتے رہے۔ اسی سال دنیا میں رہے پچاس سال دنیا میں رہے ساٹھ سال زندہ رہے **فی ماکنتم**۔ تو پھر کہتے ہیں **مستضعفین فی الارض** ۔ کہ ہم تو جی کمزور لوگ تھے اور امراء بدمعاشی کرتے تھے تو ہم کیا کرتے۔ ہم نہیں روک سکتے تھے۔ حکومت بے ایمان تھی۔ ان کے پاس طاقت تھی پھر وہ کہتے ہیں ۔ **الم تکن ارض اللہ واسعتہ فتھا جزوا فیھا**۔ اگر ایسی صورت حال تھی تو اللہ کی زمین وسیع تھی۔ کم از کم اس جگہ کو تو چھوڑ کر کہیں ایسی جگہ چلے جاتے جہاں یہ ظلم نہ ہوتا بھئی اگر ظلم کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے تو پھر ظالموں کے ساتھ خود کو مخلوط تو نہ کر لو۔ رہو تو الگ وہ جگہ ہی چھوڑ جاؤ ظلم میں شریک تو نہ ہو جاؤ میرے خیال میں تو اس ملک میں جو ہم نمازیں پڑھتے ہیں اللہ قبول کرے اس کی مرضی ورنہ ہماری ان مسجد کی ان دریوں میں جو سوت لگا ہے وہ سود پر کاتے گئے دھاگے ہیں ہمارے یہ جو کارکانے سیمنٹ بنتے ہیں اینٹ بنتی ہے یا بھٹہ بنتا ہے یہ سارا نظام معیشت سودی ہے تسبیح کے دھاگے میں بھی جو سوتر ہے اس میں بھی سود شامل ہے اس کی مرضی منظور کرے ہم چھوڑ تو نہیں سکتے لیکن اس پہ قناعت کرنا اسلام نہیں ہے ہمیں اسے تبدیل کرنا ہو گا اس تبدیلی کے لئے اللہ جلدی وہ وقت لائے لیکن اس کے لئے تیاری کرنا اس کا احساس مسلمانوں کو دلوانا اس کا طریق کار وضع کرنا یہ سارا جہاد ہے اور افضل ترین جہاد اس میں یہ نہیں ہے کہ میں سلطان بن جاؤں یا آپ گورنر بن جائیں یا فلاں وزیر بن جائے ہمارا مقصد نہ امارت ہے نہ سلطنت ہے ہمارا مقصد اسلام ہے ہمارے لئے تو موجودہ حکومت اسلامی آئین نافذ کر دے اور حکمران حکمران رہیں ہمیں تو اسلام چاہئے ہم ان کے خادم ہیں سپاہی ہیں نوکر ہیں بلا تنخواہ کام کریں گے ہمیں حکومت نہیں چاہئے لیکن اسلام کو لانا ہے وہ خواہ ہمیں جان کی قیمت پہ لانا پڑے یا سب کچھ لٹا کے لانا پڑے یا ہم نہیں ہوں گے یا ظلم نہیں ہو گا

اور اس میں تصوف کا جو نقصان ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ مشاہدات کی روایات نہیں ملتیں کتنی عجیب بات ہے کہ ایک عام ولی تو بے شمار مشاہدات حضرت محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے اتنے مکاشفات بیان کئے کہ بالاخر ان پر فتوے لگ گئے چوبیس گھنٹے الگ تھلگ بیٹھے رہتے تھے۔ بہت فاضل آدمی تھے انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی آج کل نایاب ہے کہیں اگر مل جائے تو اللہ کرے کسی دوست کو کہیں مل جائے تو وہ لائبریری میں ضرور بھیجیں اس کا نام ہے **مالا بد قبل القیامتہ** - یعنی وہ واقعات جو قیامت سے پہلے یقیناً" ظاہر ہوں گے اس زمانے میں انہوں نے آپ کی سٹریٹ لائٹس کا تذکرہ کیا ہے کہ شہروں کی گلیوں میں سوا نیزے پہ روشنیاں لٹک رہی ہوں گی تو اس سے زیادہ خوبصورت کس انداز میں وہ یعنی آج کی آبادی کو وہ ہزار سال پہلے بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ اس طرح کے شہر ہوں گے ہوائی جہاز کا تذکرہ اس **مالا بد قبل القیامتہ** میں اس طرح سے ہے کہ وہ فرماتے ہیں سواری ایسی بن جائے گی جو مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کر لے گی اور وہ کھانے پینے والی یعنی زندہ نہیں ہو گی مشین ہو گی اب آپ دیکھ لیں یہاں سے ڈھائی تین مہینے لگتے تھے برطانیہ جانے کے لئے جب لوگ بحری جہاز میں بھی جاتے تھے تو اڈھائی تین مہینے لگتے تھے اب By Air آپ جاتے ہیں فجر کی نماز پڑھ کے جاتے ہیں ظہر وہاں جا کے پڑھ لیتے ہیں میں نے لاہور فجر ادا کر کے ظہر کی نماز Late hours میں نیو یارک جا کر پڑھی ہے یہاں سے ہم فجر ادا کر کے نکلے تو نیو یارک کے مطابق امریکہ کے ٹائم کے مطابق اس وقت جب ہم نیو یارک پہنچے تو ساڑھے تین بج رہے تھے تو میں نے ساڑھے تین بجے ظہر وہاں پڑھی وہاں دن کے ساڑھے تین تھے اٹھارہ گھنٹے کا سفر ہے اور اٹھارہ گھنٹے میں بندہ کہاں چلا چھ ہزار میل کے قریب تو سمندر سے گزرنا پڑتا ہے جو برطانیہ سے اس طرف ہے تو یہ چیزیں اس میں انہوں نے لکھیں **مالا بد قبل القیامتہ** لیکن گوشہ نشینی تنہائی، مشاہدات تو ہو گئے انقلاب تو کوئی نہ لا سکے بلکہ خود ان کی ذات پہ بھی لوگوں نے مخالفت کی اور فتوے لگا دیئے اور صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قسم کی مشاہدات مروی نہیں ہیں اس لئے کہ ان کی عمر میدان عمل میں گزر گئی میدان کار زار میں گزر گئی ترقی درجات کرتے گئے مشاہدات کم ہیں خال خال ہیں کسی کسی نے بیان کئے جس طرح کثرت سے گوشہ نشین ولیوں کے مشاہدات اور مکاشفات ملتے ہیں اس کثرت سے صحابہ کے نہیں ملتے حالانکہ وہ تو سورج کے سامنے تھے کیوں نہیں ملتے؟ ترقی درجات میں ان کی جوتی کی خاک کو کوئی نہیں پہنچتا مشاہدات ان کے تیز ہیں جو گوشہ نشین رہے۔ جو عملی زندگی میں ساری عمر گزار گئے تلوار بکف ساری عمر انہوں نے بسر کر دی تو ضرورت مشاہدات کی نہیں ضرورت ہمیں درجات کی ہے قرب الٰہی کی ہے اس ظلم کو مٹانے کی ہے ظالمانہ ماحول سے اس ملک کو نہیں انسانیت کو نجات دلانے کی ضرورت ہے آپ اپنا ٹارگٹ یہ ملک نہ رکھیں ظلم جو ہے اسے مٹانا مسلمان کی ذمہ داری ہے خواہ وہ کافروں پر ہی ہو رہا ہو اگر یہ بات نہ ہوتی تو جزیرہ نما عرب سے باہر جانے کی مسلمانوں کے پاس کوئی جواز ہی نہیں تھا قیصر کی اپنی حکومت ہے اسے مسلمان کیا کہتے ہیں کسریٰ کی اپنی حکومت ہے مسلمانوں کو کیا تکلیف ہے ہندوستان والوں کی اپنی حکومت ہے افریقہ والوں کی اپنی سلطنت ہے مسلمانوں کا نبی جزیرہ نما کے عرب میں مبعوث ہوا صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے سارا جزیرہ نما عرب کافروں سے خالی کر کے آرام کیا؟

ان کے سر میں درد ہے کہ افریقہ پہ بھی چڑھ دوڑے یورپ پہ بھی چڑھ دوڑے چین تک براعظم ایشیا میں بھی آ گئے ہندوستان بھی سارا روند ڈالا کیوں؟ ان کی ذمہ داری تھی کہ اللہ کی مخلوق پر ظلم نہ ہو ظالموں کو یہی دعوت ہوتی تھی ان کی اسلام قبول کر لو ہم اور تم بھائی ہیں اپنا ملک سنبھالو حکومت اللہ کی ہو گی تم اس کے امین ہو گے اس کے نائب ہو گے خلیفہ ہو گے یہ منظور نہیں ہے تو ہمیں ٹیکس دو گے

ہم تمہارے احوال کی نگرانی کریں گے کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکے گا یہ بھی منظور نہیں ہے تو تلوار فیصلہ کر دے گی اللہ اللہ خیر سلا۔ تو الاخوان کی بنیادی بات یہ ہے کہ یہ ظلم جو اس وقت پوری دنیا پہ ہو رہا ہے اس کا دفاع کب کیا جا سکتا ہے جب ہم جہاں موجود ہیں کم از کم یہاں سے تو ظلم کو اٹھایا جائے اور یہ ملک جو بنا ہی اسلام کے نام پر تھا جس کی بنیاد ہی نظریہ ہے اس پر غیر اسلامی سلطنت اور اس پر لوگوں کی عیاشیاں اور اس پر اربوں کھربوں ایک بندہ کھاتا ہے اور دوسرے ایک بندے کے کتے جو ہیں وہ اتنے ریشمی نمدوں میں سوتے ہیں اور باقی ساری مخلوق پتھروں پر ان کے پاس سونے کے لئے جگہ نہیں تو میرے بھائی ذکر پہ محنت مراقبات پہ توجہ اور عملی زندگی میں نفاذ اسلام برابر برابر سارے فرائض ہیں ہم نے یہی سیکھا ہے اور زندگی بھر جو ہو سکا وہ کیا بھی میری پچیس برس عمر حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ گزری اور میں نے کبھی اپنے کندھے سے بندوق جدا نہیں کی کبھی بھی۔ مجھے تو شیخ نے منع نہیں کیا بلکہ شاباش ہی دی کتنے مفرور یہاں علاقے میں ہوتے تھے میں نے ہر مفرور جس نے ڈاکے ڈالنے شروع کئے قانون سے کوئی بھاگا رہا ہم نہیں پوچھتے تھے قانون ہے ہی غیر اسلامی وہ جانے قانون جانے جس کسی نے ڈاکے ڈالنے شروع کئے ریکارڈ ہے اس علاقے میں علاقے کے لوگوں سے پوچھ لو اسے میں پیغام بھیجتا تھا کہ یہاں ڈاکے نہیں ڈالے جائیں گے باز نہیں آیا مقابلہ کیا فائرنگ کی گولیاں چلیں پولیس کو بلایا کوئی مارے گئے کوئی گرفتار ہوئے چھوڑا نہیں کسی کو بلکہ مجھے ایک دفعہ میرے دوست ڈی ایس پی نے کہا کہ جی میں آپ کو پولیس کا ایک گارڈ دیتا ہوں آپ جنگل میں اکیلے رہتے ہیں میں نے کہا اگر پولیس کے بھروسے پہ میں لڑتا تو میں ان سے چھیڑتا ہی نہیں میں اللہ کے بھروسے پہ کام کرتا ہوں اور آپ کی پولیس سے میں تگڑا ہوں میرے اکیلے کے پاس بھی جو آئے گا وہ اپنا حصہ لے کے جائے گا آپ فکر نہیں کریں کبھی کسی پہ بھروسہ نہیں کیا یہاں جھگڑا ہو گیا تھا دو گروپوں میں ایک تگڑا تھا ایک کمزور تھے پولیس والوں نے کہا لڑائی ہوتی ہے آپ اس میں ثالث بنیں تو ہم بھی جاتے ہیں ورنہ ہم نہیں جاتے وہاں خطرہ ہے یہ تگڑے جو ہیں یہ لڑیں گے ماریں گے لڑائی ہو جائے گی میں نے کہا ٹھیک ہے میں آتا ہوں اپنی بندوق میرے پاس ہوتی ہے میں بھی چلا گیا وہاں وہی ہوا پولیس بھاگ گئی کم از کم کوئی چار سو کے قریب بندہ تھا جو فائر کر رہا تھا اور اس طرف وہ لوگ کمزور تھے لڑنے والے نہیں تھے میں نے ساڑھے تین گھنٹے ایک رائفل سے چار سو آدمیوں کو روکے رکھا چکوال تک جمع ہو کر ساری پولیس یہاں موقع پر پہنچی جب وہ لوگ بھاگ گئے تو میں نے بھاگتے ہوئے کے دائیں بائیں گولیاں مار کر کسی کو زخمی بھی نہیں کیا مجھے ضرورت نہیں تھی لیکن بھاگنے والوں کے دائیں بائیں گولیاں چلا کر ساٹھ ستر گرفتار کرا دیئے پولیس کو بلا بلا کر۔ یہ ریکارڈ ہے یہاں کا۔ ساری دنیا جانتی ہے بارش کی طرح گولیاں برس رہی تھیں میں نے کہا جس نے مورچے سے سر نکالا اس کا سر نہیں ہو گا نیچے بیٹھ کر ہوا میں فائر کرتے رہو ساڑھے تین گھنٹے روکے رکھا تھا اکیلا تھا میں اور اتنی فائرنگ تھی کہ میرا نوکر جو ساری زندگی میرے ساتھ رہا اس دن وہ بھی بھاگ گیا تھا بعد میں میں نے پوچھا یار یہ کیا تھا۔ کہتا ہے اس کے علاوہ کچھ ذہن میں آتا ہی نہیں تھا صرف یہ بات آتی تھی کہ بھاگو۔ ہم نے تو سارے کا سارا تصوف سیکھا ہے اسی کے ساتھ علاقے کے بڑے بڑے مفروروں کو بدمعاشوں کو روکا اس لئے نہیں کہ میرے ساتھ زیادتی کی میرے ساتھ تو اب تک بھی بحمد اللہ چھیڑنے کی جرات کوئی نہیں کرتا جب بھی کسی غریب کو تنگ کرتے تھے ہم درمیان میں آ جاتے تھے اور یہ ریکارڈ ہے کہ کوئی ڈاکو یہاں کبھی ڈاکے نہیں ڈال سکا جنگل میں رہیں پناہ گاہوں میں رہیں موج کریں۔ تو الاخوان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ معاشرے پر جو ظلم ہو رہا ہے دنیا میں روکے زمین پر جو فرعونیت چھا رہی ہے وقت کے فرعونوں کو پکارا جائے چیلنج کیا جائے ان کی گردن توڑی جائے اور فراعنہ کو غرق دریا کر

کے وہاں اللہ کی سلطنت قائم کی جائے اس کی بنیاد یہ ملک ہے اس ملک پر اسلام کی حکومت قائم ہو تو انشاء اللہ روئے زمین پر انقلاب بپا ہو جائے گا اور یہ آپ کی ذمہ داری ہے آپ احباب کے فرائض میں سے ہے اور یہ یاد رکھیں الاخوان کسی پر ظلم کرنے کے لئے نہیں ظلم کو روکنے کے لئے بنائی جا رہی ہے اللہ کریم آپ احباب کی محنت قبول فرمائے اور آپ کو توفیق دے کہ پوری توجہ اور پورے جوش و خروش سے اس میں آگے بڑھ سکیں۔

حضرت امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ)

آصف محمود ڈسکہ

حضرت امام مالکؒ کو علم حدیث سے جو شغف تھا اس کی مثال کم ہی ملتی ہے آپ کی علمی جلالت' امامت فی العلم اور عظمت شان پر سب کا اتفاق ہے۔ چونکہ مدینہ منورہ خود علم کی بستی تھی۔ دور دور سے طالبان علم سفر کر کے مدینہ آتے۔ اس لئے امام مالک کو طلب علم کے سلسلے میں مدینہ سے سفر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی ان کا تمام تر سرمایہ علم حجازی اور مدنی ہے آپ نے سترہ سال کی عمر میں ہی فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا اور اسی عمر میں آپ نے اپنا حلقہ درس بھی قائم کر لیا تھوڑی ہی مدت میں آپ کے علم و فضل کا شہرہ اقطار عالم میں پھیل گیا اور دور دراز علاقوں سے لوگ تحصیل علم کی خاطر آپ کے دروازے پر جمع ہونے لگے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ کے شاگردوں کا شمار دشوار ہے۔ یہ مقبولیت فقہاء اور محدثین میں بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی۔ امام زرقانی کا بیان ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ امام مالک کو جب حدیث بیان کرنا ہوتا تو اس کے لئے بڑا اہتمام کرتے۔ غسل کرتے۔ کپڑے تبدیل کرتے عمامہ باندھتے اور خوشبو کا استعمال کرنے کے بعد نہایت وقار و سکون کے ساتھ مسند درس پر تشریف فرما ہوتے۔ گورنر اور بادشاہ تک آپ کے درس میں شریک ہوتے لیکن اقلیم حدیث کا یہ تاجدار ان کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک نہ کرتا قول رسولؐ کا جلال مجمع پر ایسا چھایا ہوتا کہ کسی کو حرکت کرنے کی بھی مجال نہ ہوتی خود امام مالکؒ درس حدیث میں نہایت پرسکون ہوتے۔ حدیث کے احترام میں آپ کے جسم میں بالکل کوئی حرکت نہ ہوتی۔ ایک مرتبہ حضرت امام مالکؒ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ کسی طرح ایک بچھو پیچھے سے آپ کی قمیص میں گھس گیا اور اس نے ڈنک مارنا شروع کیا مگر آپ نے اپنے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہونے دی نہ ہی درس موقوف کیا۔

درس اسی طرح جاری رہا جب بچھو ڈنگ مارتا رہا تو تکلیف کی شدت سے آپ کا چہرہ نیلا پڑ جاتا۔ مگر روائیت حدیث میں کوئی فرق آتا نہ ذوق و شوق میں۔ درس کے بعد لوگوں نے دیکھا تو امام کی پشت میں بچھو نے سولہ سترہ ڈنک مارے تھے۔ کسی نے کہا! امام جب بچھو نے پہلی دفعہ ڈنک مارا تھا تو آپ نے اسی وقت کیوں نہ بتلایا۔ فرمایا مجھے شرم آئی کہ سرکارؐ کی حدیث چھوڑ کر اپنے جسم کی تکلیف کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ ساری زندگی شہر مدینہ میں وقف کر دی کہ یہ محبوب کی سرزمین تھی شہر مدینہ کا اتنا ادب کرتے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر کبھی جوتے استعمال نہ کئے قضائے حاجت کی جب ضرورت ہوتی شہر سے باہر چلے جاتے امام مالکؒ کے انگ انگ میں دیار حبیب کی محبت سمائی ہوئی تھی۔ ان کے لئے خاک مدینہ سرمہ چشم اور ہوائے مدینہ پیام حیات تھی عشق صادق تھا اس لئے اتباع بھی کامل تھی ساری زندگی میں ایک عمل بھی خلاف سنت صادر نہ ہوا۔ عشق و اتباع کے امتزاج نے امام مالکؒ کی حیات طیبہ کو مثالی تو بنایا ہی تھا وفات بھی مثالی ہوئی اور ۱۷۹ ہجری میں خزینہ دار علم نبوی سبز گنبد کے قریب جنت البقیع میں خاک کی چادر تان کر سو گیا۔

اقتصادی نظام کی تبدیلی

(اکبر علی۔ ایم۔ اے)

پاکستان میں سیاست اور معیشت اپنی سائنسی جبلت کی محرومی کے باعث آغاز ہی سے ارتقاء کی لہر پر سوار ہونے کی بجائے پنڈولم کی بدلہری کا شکار ہو گئیں۔ عوام جب اقتدار کے جمہوری تشدد سے گھبراتے ہیں تو مارشل لاؤں کے استقبال کے لئے صف بند ہو جاتے ہیں اور جب مارشل لاؤں سے تنگ آ جاتے ہیں تو جمہوریت کی آرزو میں سرگرداں ہو جاتے ہیں لیکن ہر بار جمہوریت نے عوام کو اپنایا اور نہ مارشل لاؤں نے انہیں اپنا بنایا۔ آج جب پوری دنیا عالمی سرمائے کی مصلحتوں کے تحت جمہوریت کی لہر پر سوار کی جا رہی ہے تو پاکستان کا بے قرار سیاسی پنڈولم پارلیمانی نظام جمہوریت اور صدارتی نظام جمہوریت کے مخمصے میں الجھا ہوا ہے۔ پاکستان نے سیاسی میدان میں پارلیمانی جمہوریتوں کو آزمایا ہے' صدارتی نظاموں کو آزمایا ہے اور مارشل لاؤں کو بھی آزمایا ہے اور ان سب نظاموں کو مزاج میں ایک سا پایا ہے۔ اصل خرابی کی جائے وقوع تلاش کر کے اس کے مداوے کی کاوش نہ ہونے کے باعث سماجی سفر کو لہو چکر سے باہر نہیں آ سکا۔ اصل المیہ یہ ہے کہ ہماری معیشت اور سیاست ارتقاء کے عالمی مرکز ثقل سے دور ہٹی ہوئی عدم توازن سے ہچکولے لے رہی ہے۔ انسانی ارتقاء کے موجودہ دور کا مرکز ثقل سرمایا ہے' جن قوموں نے سرمائے کی تشکیل کو جدوجہد کا مرکز مان کر اوپر اٹھنے کی کوشش کی دنیا کے مادی اور سماجی ارتقاء میں شریک کار کی حیثیت سے ان کا راستہ صاف ہو گیا اور جو اقوام اس مرکز سے بھٹک گئیں' وہ اپنی بھول سے مزید بھٹکتی چلی جا رہی ہیں۔ سرمائے کا ارتقاء ایک نامیاتی عمل ہے اور اپنی نمو کے دوران اس کی تنوع کاری میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ تنوع کاری کے باعث سرمائے کے پیکر میں نئے اعضاء کا اضافہ ہوتا رہتا ہے' جب کوئی پسماندہ قوم سرمائے کے عالمی مقابلے میں شراکت کرنا چاہتی ہے تو اس کی کاوش کی نوعیت کا تعین اس سچوایشن یا اس صورتحال سے ہوتا ہے' جس میں وہ قوم واقع ہوتی ہے' مثلاً" سرمائے کی تشکیل کا عمل ناگزیر طور پر استحصال پیدا کرتا ہے' جن حالت میں یورپ نے صنعتی ترقی کی وہ حالت امریکہ کے لئے مختلف تھے۔ امریکن آبادی کلچر کے لحاظ سے یورپین آبادی تھی اور یورپی صنعتی انقلاب کے اوراک سے مکمل طور پر مسلح تھی۔ باقی دنیا سے الگ تھلگ امریکن آبادی نے تنہائی میں اپنے وسائل کا صنعتی انقلاب کے لئے بھرپور استعمال کیا اور امریکہ بہت جلد دنیا کی صنعتی برادری میں شامل ہو گیا۔ ایشیا میں جاپان نے اپنی کاوشوں سے صنعتی مملکت کا درجہ حاصل کیا۔ اپنی ترقی کے آغاز کے دوران جاپان کو جو سچوایشن یا صورت حالات ملی' وہ صورتحال جاپان کے سرمایہ دار کلب میں داخل ہونے میں بہت کم مزاحم ہوئی' جس وقت جاپان نے ترقی کا آغاز کیا

اس وقت سرمائے کی کھپت کے لئے سرمایہ دار ممالک کی گھریلو منڈیوں میں وسیع طلب موجود تھی۔ جتنی مشینیں بنائی جاتی تھیں وہ سب گھریلو منڈی میں کھپ جاتی تھیں۔ ابھی سرمایہ اتنا فاضل نہیں ہوا تھا کہ اس کی کھپت کے لئے بیرونی منڈیوں کی تلاش ضروری ہو۔ سرمائے کی برآمدات سے پہلے سرمایہ دار ممالک کی گھریلو منڈیوں میں تجارتی اورمالیاتی سرمایہ صنعتی سرمائے میں ضم ہو رہا تھا اور اس طرح صنعتی انقلاب میں زبردست اسراع پیدا ہو رہا تھا' پھر جب گھریلو منڈیاں مشینوں سے پر ہو گئیں تو مشینی سرمایہ برآمد کرنے کی ضرورت لاگو ہونے لگی۔ سرمائے کی برآمد نے پسماندہ دنیا کی صنعتی ترقی کے لئے سچوایشن تبدیل کر دی۔ جاپان کی ترقی میں غیر ملکی سرمائے کو مزاحمت کی ضرورت درپیش نہیں تھی' اس لئے جاپان آسانی سے صنعتی انقلاب کی دہلیز عبور کر گیا۔

برآمدی سرمائے کی سچوایشن کو بھانپ کر ہندوستان نے ترقی کا اپنا ماڈل ایجاد کیا۔ پیشتر اس کے کہ غیر ملکی مشینیں انڈیا کی منڈی پر قابض ہوتیں' انڈیا نے پہل قدمی سے پبلک سیکٹر کو مشین سازی کے لئے سرگرم کر کے اپنی گھریلو مشینی بنیادیں قائم کر لیں۔ اس طرح انڈیا درآمدی سرمائے کے عذاب میں مبتلا ہونے سے کسی حد تک محفوظ ہو گیا اور سرمائے کی اپنی تخلیقی بنیادوں سے وہ عالمی سرمائے کے صدمات برداشت کرنے کی صلاحیتوں کے لحاظ سے مسابقت کے لئے جدوجہد کرنے کے قابل ہو گیا۔ انڈیا نے صنعتی ملک بننے کے لئے سرمائے کی دستیاب عالمی صورت حالات میں جورسپانس یا جوابی عمل پیدا کیا وہ اس سچوایشن کے مطابق موثر رہا۔ آج جب عالمی سرمایہ قرضوں کے علاوہ مشینیں' ٹیکنالوجی اور خدمات بھی برآمد کر رہا ہے تو سرمائے کی ان درآمدات سے پسماندہ ممالک تہہ در تہہ دوہرے' تہرے اور چوہرے استحصال میں پھنس چکے ہیں۔ جاپان اور انڈیا نے جب صنعتی انقلاب کی کوشش کی' سرمائے کی درآمد کے باعث تجارتی عدم توازن ان کو جکڑے ہوئے نہیں تھیں۔ غیر ملکی ذہنی اثاثوں کی زنجیریں ان کو جکڑے ہوئے نہیں تھیں۔ آج جب سرمایہ اپنی ملٹی نیشنلز اور جائنٹ و نچرز مینو فیکچرنگ کمپنیوں کی خدمات برآمد کر رہا ہے تو ان خدماتی فنڈ منیجروں' پروڈکشن منیجروں اور پالیسی منیجروں کی گرفت قرضوں' مشینوں اور ذہنی اثاثوں کی درآمد سے بھی زیادہ استحصال کا باعث بن رہی ہے۔ اب جب کہ سرمایہ کمپیوٹنگ پاور سے بھی مسلح ہے اور مستقبل کی چھان پھٹک پر بھی حاوی ہے تو اس نئی سچوایشن سے پیدا شدہ استحصال کا جال توڑنا جوئے شیر لانے سے کم کارنامہ نہیں رہا۔

مملکت پاکستان کے قرضے قومی تشکیل سرمایہ' کے عمل کو روند رہے ہیں۔ ان قرضوں کی ادائیگی تشکیل سرمایہ توکجا عوام کا خون بھی چوس رہی ہے۔ غیر ملکی مشینی اور ٹیکنالوجی کے سرمائے اندھا دھند درآمد سے توازن تجارت کا بگاڑ بے قابو ہو چکا ہے' بجٹ خوفناک حد تک غیر متوازن ہے' ذرائع پیداوار کی درآمدات کم کریں تو پیداوار رک جاتی ہے اگر درآمدات میں اضافہ کریں تو درآمد کا بل ادا کرنے کے لئے برآمدات سکت سے محروم ہیں' ذہنی اثاثوں کی تخلیق اپنی بنیادوں سے محروم ہے' تجارتی لیول ازم اور ڈی ریگولیشن کی عالمی لہر نے درآمدی سرمائے پر منحصر صنعت' تجارت اور مالیات کی قوت مسابقت کو توڑ پھوڑ ڈالا ہے' برآمدی قوت کی کمزوری سکے کی قوت مقاومت کو جھنجھوڑتی چلی جا رہی ہے۔ غیر ملکی بلوں کی ادائیگی سے بجٹ غیر متوازن ہے۔ سرمائے کے گھریلو پیداواری سہاروں سے محروم نظام مالیات کی پسپائی نے عوام پر مہنگائی کے سیلابی دروازے کھول دیئے ہیں' بیروزگاری روزافزوں ہے' جب پیداوار' تجارت' مالیات' روزگار اور تعلیم کا مستقبل دھواں بن کر بکھر رہا ہو تو پبلک آرڈر اور سماجی نظم و ضبط کو ٹوٹنے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ عالمی سرمائے کے استحصال کی جس حالت میں ہم گرفتار ہیں' ان حالات میں صنعتی انقلاب کے لئے درکار سرمائے کی تشکیل کا قیامت تک انتظار کرنا پڑے گا۔

سماجی' معاشرتی' اقتصادی' ثقافتی اور نفسیاتی بگاڑ کے

اتنے ڈھیر سارے دباؤ جب سیاسی ڈھانچے پر پڑتے ہیں تو وہ اپنی ساخت جو مروجہ حالت کی ترتیب یافتہ ہے اس کے خلاف اپنی کھال سے باہر کس طرح چھلانگ لگا سکتا ہے۔ نظام پارلیمانی ہو یا صدارتی جب تک سماج میں استحصالی روشوں کی بھر مار ہے' ان روشوں کی احتیاج کا استحصال کرنے کے لئے بیرونی سرمایہ بدستور جھپٹتا رہے گا۔ پاکستان کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ روز اول سے یہاں اقتدار کی روش امپیریلزم درآمد کرنے پر مرکوز رہی ہے۔ یہاں فوجی امر' جمہوریہ صدر یا پارلیمانی وزیر اعظم جو بھی آیا ہے' اس نے قومی اقتصاد پرستی غیر ملکی اقتصاد کو ترجیح دی ہے۔ سرمائے کی اپنی صنعتی' ٹیکنالوجی' مالیاتی اور تجارتی بنیادیں پیدا کرنے کی بجائے غیر ملکی سرمائے کی درآمد کو ترجیح دی ہے' جس کا نتیجہ احتیاج کے لامتناہی سلسلے کی صورت میں برآمد ہوا ہے۔

جمہوریت کا بستہ صرف سیاسی ڈھانچے سے مکمل نہیں ہوتا بلکہ سماج کے استحصال ڈھانچے سے نجات اس بستے کی پہلی کتاب ہے۔ استحصالی ڈھانچے سے نجات سرمائے کی تشکیل کے اپنے نظام کے بغیر ناممکن ہے۔ سماجی احتیاج کو غیر ملکی استحصال کے حوالے کرنا یا اپنے سیاسی استحصال کے لئے استعمال کرنا' سب سے بڑی قومی بے راہ روی ہے' جس کی موجودگی میں سیاست کے قومی استقلال اور سماجی استقلال کو ارتقاء نصیب نہیں ہو سکتا۔ سرمائے کی تشکیل پر مرکوز سماجی ڈھانچے کی الٹ پلٹ سے نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہی رہے گا' گنتی خواہ دائیں سے کی جائے یا بائیں سے۔ پاکستان جس سیاسی' معاشی اور سماجی کرب میں مبتلا ہے' یہ حالت عالمی بینک اور اس کے ممبر ممالک کی پیدا کردہ ہے' جن کے ماہرین اقتصادی ڈاکٹروں کی حیثیت سے پاکستان کے مشیر رہے ہیں۔ پاکستان کی بیماری عالمی مالیاتی ادارے ہیں' جن کے مشیروں نے معیشت کو گمراہ کیا ہے۔ جب اقتصادی ڈاکٹر مشروط قرضوں کے نسخے دے رہے تھے' جن کو خرچ کرنے میں پاکستان خود مختار نہیں تھا تو وہ قرضے غیر ملکی مالیاتی ایجنسیوں کا مستقل سائل بن کر رہ گیا۔ عالمی مالیاتی ایجنسیوں کے ماہر ڈاکٹروں نے یہاں مشین ساز بنیادی صنعتوں کی تشکیل کے خلاف نسخے دیئے۔ ٹیکنالوجی کے اپنے اداروں کے ارتقاء کے خلاف مشورے دیئے تاکہ عالمی بینک کے ممبر ممالک کی درآمدات کے بدل یہاں تیار ہو جانے سے غیر ملکی درآمدات کی کھپت کی منڈی یہ ختم ہو جائے۔ عالمی مالیاتی ایجنسیوں کے ماہر ڈاکٹروں نے پبلک سیکٹر کو بدراہ کیا۔ ٹیکنالوجی میں آزادی نہ آنے دی۔ گماشتہ صنعتی ڈھانچہ نہ ڈھانے دیا۔ احتیاج سے آزادی کی پالیسیاں نہ چلانے دیں۔ معاشی خود کفالتی کی تحریک نہ چلنے دی۔ پیداوار اور تخلیق کا مقامی سسٹم نہ بننے دیا اور آج جب ملک سامراجی قرضوں' سامراجی ذرائع پیداوار' سامراجی ذرائع نقل و حمل' سامراجی ذرائع مواصلات اور سامراجی اسلحے سے بھر گیا ہے' اس صورت میں حالات میں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے لئے مذکورہ چیزوں کو دیس نکالا دے کر ان کے متبادلات خود پیدا کرنے کتنا کٹھن ہو گیا ہے۔ پاکستانی قوم کی خود مختاری کے فروغ کی سپچوایشن عالمی بینک کے ماہرین نے کتنی محدود بنا دی ہے۔ ورلڈ بینک کے ممبر سرمایہ دار ممالک ہیں' جن کا سرمایہ عالمی سطح پر ملٹی نیشنلز اور جائنٹ وینچرز کی صورتمیں جہانگیر و جہانداری کی اپنی روایات پیدا کرنے میں مصروف ہے۔ عالمی بینک کے ممبر ممالک کے علاوہ باقی سب ممالک کی حیثیت سائلوں جیسی ہے۔ عالمی بینک کے مایہ ناز ماہرین عالمی بینک کے ممبر ممالک کے مفاد میں کام کرتے ہیں' جن سے وہ تنخواہیں وصول کرتے ہیں۔ ماہرین عالمی بینک سائل ممالک کی حیثیت کو تبدیل کر کے انہیں سرمایہ دار ممالک کے کلب کا ممبر بنانے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ ممبر ممالک کی برتری اسی میں ہے کہ سائل کبھی بھی سائل کی حیثیت سے باہر نہ ہونے پائیں۔ عالمی بینک کے امدادی پروگرام سائلوں کو گزارہ لیول سے گرنے سے بچانے کے لئے ہوتے ہیں تاکہ کوئی بغاوت یا انقلاب عالمی مالیاتی اجارہ داری کے لئے تاریخی چیلنج نہ بن جائے۔

عالمی بینک جیسے عظیم ادارے کا معزز رکن ہونا ایک ایسا سحر ہے، جس سے مسحور ہو جانا معمولی بات ہے۔ یہ معزز ارکان سائلوں کی بیمار معیشت کے لئے جو بھی نسخہ تجویز کرتے ہیں، اس کی گہرائی میں استحصال ہوتا ہے، خود کفالتی نہیں ہوتی۔ ان کے نصاب اور مشورے ڈی ویلیوایشن کے لئے ہوتے ہیں، جن سے قرضوں کی مقدار میں بیٹھے بٹھائے اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کے مشوروں میں سوشل سیکٹر کے اخراجات پر تنقید ہوتی ہے۔ پبلک سیکٹر پر ملامت ہوتی ہے۔ ان کی دلچسپی اشیاء کے نرخ بڑھانے میں ہوتی ہے۔ ٹیکسوں میں اضافہ ان کی دلچسپی کا موضوع ہوتا ہے۔ غرض ہر مشورہ قرضوں کی ادائیگی کے لئے فنڈ بچانے پر مرکوز ہوتا ہے۔ عوام کی کھال اتارنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ عوام کی سہولتوں میں اضافہ کے لئے، صنعتی فروغ اور سرمائے کی تشکیل کے لئے۔ معیشت کے عالمی ڈاکٹر استحصال کے خاتمے کی بات نہیں کرتے، بنیادی صنعتوں کی اٹھان کی بات نہیں کرتے، ٹیکنالوجی کی تنظیم کی بات نہیں کرتے، سامراج درامد کرنے والے گماشتہ ڈھانچے کو ختم کرنے کی بات نہیں کرتے، بات کرتے ہیں تو عالمی بینک کے ممبر ممالک کے بجٹ سیدھے کرنے کے لئے، سائل ممالک کو قربانی کا بکرا بنانے کی بات کرتے ہیں، سائلوں پر کوئی نئی آفت ڈھانے کی بات کرتے ہیں، اب بجٹ کی تقویت کے لئے سب سے زیادہ زور زرعی ٹیکس پر دیا جا رہا ہے، زرعی ٹیکس بہت اچھی سکیم ہے بشرطیکہ یہ ٹیکس قومی مفادات پر خرچ کرنا مقصد ہو۔ جب زرعی ٹیکس بھی مصارف قرضہ جات میں کھپ جاتا ہے تو اس ٹیکس کے باعث جو زرعی پیداوار میں مہنگائی پیدا ہو گی وہ ہمیشہ کے لئے عوام کے گلے پڑ جائے گی۔

سرمائے کے ارتقاء نے جو نئی سچوایشن پیدا کر دی ہے، سرمائے نے استحصال کے جو نئے ڈنک پیدا کر لئے ہیں، یہ سارے ڈنک نکالنے کے لئے اور نئے ڈنکوں سے مامون رہنے کے لئے ایسی اینٹی بائیونک کی ضرورت ہے، جو اس ساری صورتحال کا موزوں جواب ہو۔ موجودہ گیٹ اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن جیسی عالمی تنظیموں کے انتہائی طاقتور مسابقتی ایجنڈے کی موجودگی میں کوئی سرگرم بغاوت عالمی دباؤ کو برداشت کرنے کی اہل نہیں ہو سکتی، تاوقتیکہ عالمی سرمائے کے استحصال میں پھنسی ہوئی ساری دنیا جال توڑنے کے لئے متحد نہ ہو۔ اس ساری صورتحال کا موزوں اینٹی بائیونک اور صحیح جواب قومی اقتصاد پرستی کی تحریک ہے۔ غیر ملکی مال معاہدوں کے مطابق آتا ہے تو آئے لیکن عوام اس کی خریداری میں جنون کا مظاہرہ نہ کریں، قومی پیداوار سے محبت کرنا سیکھیں، جبری طور پر کوئی خریدار نہیں جا سکتا، قومی اقتصاد پرستی کی لہر پیدا کرنے کے لئے سماج کے استحصالی ڈھانچے سے نجات ضروری ہے۔ عالمی کارپوریٹ سرمایہ سوشلزم کی پونجی وادی شکل ہے، اس کاپوریٹ سرمائے نے اپنے عوام کی دولتاری خصوصیات کا خاتمہ کیا ہے۔ عوام کو سماجی تحفظات کی ضمانت دے کر جائیداد اور ملکیت کے اداروں سے استحصال کی قیمت وصول کر لی ہے، لیکن یہ کارپوریٹ عالمی سرمایہ جن ممالک کے مسائل کا استحصال کر رہا ہے، جہاں تشکیل سرمایہ کے فروغ کے لئے درکار وسائل، اثاثوں اور ملکیتوں پر حقوق محدود تر ہوتے جا رہے ہیں۔ جہاں وسائل اور اثاثوں کی بے ثباتی نے قومی گروہوں کو باہم دیگر گتھم گتھا کر رکھا ہے، اس کرب سے نجات واحد راہ سرمائے کی تخلیق ہے، کیونکہ سرمائے کے بغیر محض سیاسی تصوف سے مقابلے اور مسابقت کی اس دنیا میں زندہ رہنا ناممکن ہے۔ سرمایہ ہو گا تو ملکیت کو قیام اور فروغ حاصل ہو گا، اگر سرمایہ نہ ہوا تو مقابلے میں پسپائی سے ساری ملکیت بیگانہ ہو جائے گی۔

سرمائے کی قومی تخلیق کا مسئلہ جنگی پیمانے پر حل کرنے کے لئے پوری افرادی قوت کو منظم کر کے مملکت کے جملہ شعبوں کو پیداواری نقطہ نظر سے ہم آہنگ کئے بغیر نجات کی کوئی راہ باقی نہیں ہے۔ قومی اقتصاد پرستی کی عوامی لہر کے لئے اقتصادی اور سائنسی طور پر روشن خیال محنتی اور

ایثار پیشہ قیادت کی ضرورت ہے۔ عوام میں ایسے سائنسی مزاج کی پرورش کی ضرورت ہے جو تغیر اور ارتقاء کو مذہبی عقیدے کے طور پر تسلیم کرتا ہو۔ تغیر اور ارتقاء کے خلاف مزاحمانہ تحریکوں کی موجودگی میں اگلہ مرحلہ بگ بینگ کی بجائے بگ کرنچ ہی ہو سکتا ہے۔ اب یہ گھڑی انتخاب کے فیصلے کی گھڑی ہے' ارتقاء کے لئے بگ بینگ درکار ہے یا بربادی کے لئے بگ کرنچ مطلوب ہے۔ پاکستان کے مسائل کا حل سو دیشی مدار پر گھومنے والے میکنو کریٹ نہیں' جو قوم پر ہمیشہ آفت بن کر گرتے ہیں بلکہ قومی تقل میں جذب اہل الرائے حضرات ہیں جو قوم کے افراد کی صلاحیتوں کو بگ بینگ کی طاقت سے وسعتوں میں پھیلا دیں۔

(شکریہ روزنامہ پاکستان)

حضرت امام حسنؓ کے ہاں معززین مکہ مدعو تھے۔ ایک لونڈی دسترخوان پر کھانا چُن رہی تھی۔ جب وہ شوربے کا پیالہ حضرت کے سامنے رکھنے لگی تو اچانک اس کا پاؤں پھسل گیا جس سے تمام شوربا حضرت حسنؓ کے اوپر گر گیا۔ حضرت نے قہر آلود نظروں سے لونڈی کی طرف دیکھا۔ لونڈی تھر تھر کانپنے لگی۔ اسی خوف کی حالت میں اُس کے منہ سے قرآن پاک کے یہ الفاظ نکلے:۔

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (جو لوگ غصے کو پی جاتے ہیں)

حضرت نے لونڈی سے فرمایا "میں نے غصے کو روک لیا"

پھر لونڈی نے کہا

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسْ (اور جو لوگوں کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں)

حضرت نے فرمایا "مَیں نے تمھیں معاف کر دیا"

اس کے بعد لونڈی نے یہ آیت پڑھی

"وَاللّٰہُ یُحِبُ الْمُحْسِنِیْنَ" (اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

یہ سُن کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"جاؤ مَیں نے تمھیں آزاد کر دیا۔"

اسلام اتنا مشکل کیوں

مولانا محمد اکرم اعوان

آج کا مسلمان اس بات پہ قائم ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اسلام نہیں ہے۔ اس کے روزمرہ کے معمولات' اس کے تعلقات۔ اس کی معاش' اس کی زیست کے دوسرے جو پہلو اور شعبے ہیں وہ اسلامی نہیں ہیں۔ وہ اسلام پر نہ عمل کرتا ہے اور نہ اپنانا ہی چاہتا ہے لیکن اپنے اس دعوے کی بنیاد پر کہ میں مسلمان ہوں رب جلیل سے توقع رکھتا ہے کہ جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمانوں پر اس کی رحمتیں متوجہ ہوئیں' جس طرح کفار کو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اور صحابہ کرام نے اسلام کے زیرنگیں ہونے پر مجبور کر دیا یا جس طرح انہیں عظمت اور شوکت نصیب ہوئی وہ مجھے بھی ملنی چاہئے۔

ہمارا آج کا بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ جب ہم مصائب کی تکالیف کی بات کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں یار یہ مسلمانوں پر اتنی مصیبتیں کیوں؟ لیکن جب کردار کی بات آتی ہے تو ہم کہتے ہیں جی اسلام پر تو عمل کر کے بندہ زندہ رہ ہی نہیں سکتا یہ کیسے ممکن ہے؟ مثلاً" ہم روزانہ سنتے ہیں ہمارے ملک کے وہ ذمہ دار احباب یا افراد' اللہ نے جنہیں بست و کشاد پر مامور فرما دیا ہے یا جن کے پاس اقتدار ہے وہ بڑے ڈنکے کی چوٹ پہ کہتے ہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آج اس زمانے میں ہم سودی نظام چھوڑ دیں؟ سود کے بغیر معیشت استوار کیسے ہو گی؟ یا ہم اپنے نظام حکومت کو آج سے چودہ سو سال پہلے کے اسلامی نظام میں کیسے ڈھال دیں؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ زمانہ تو بہت آگے نکل گیا زمانہ تو بہت ترقی کر گیا اور اب چودہ سو سال پہلے والی بات کس طرح قابل عمل ہے؟ یا اب اپنے قانون اور عدلیہ کو ہم ان قوانین پر کس طرح لے جائیں کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو اور زانی کو درے لگاؤ۔ یہ تو بڑی وحشیانہ سزائیں ہیں یہ سب تو ایک طرف ہم یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ اس زمانے کے لئے اسلام کے پاس کچھ نہیں بچا ہو گا۔ اسلام اچھا ہو گا' اس کا نظام اچھا ہو گا' اس کی فلاسفی بہتر ہو گی' اس کی تھیوری صحیح ہو گی' طریقہ معاش اور روزمرہ کے معمولات کے مسائل کا حل اس کے پاس ہو گا۔ لیکن کبھی ہو گا آج نہیں ہے۔ دوسری طرف ہمارا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اسلام کی AS A WHOLE ایک ایک شق کا انکار کرنے کے بعد ہم مسلمان ہیں۔ کیسے؟ معاملہ ایسا ہے کہ یہ دو باتیں بیک وقت ہو ہی نہیں سکتیں لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اللہ ہماری اسی بات کو قبول کر لے اور ہمیں مسلمان ہی قبول کر لے۔ ہمارا ایمان قبول ہو جائے تو ارشاد باری یہ ہوتا ہے۔

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا۔

اس میں زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے سادہ سا ترجمہ اگر

اللہ توفیق دے اور بندہ کتاب اللہ کا سادہ سا ترجمہ سمجھ لے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ سادہ سی بات ہے فرمایا لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ دیں گے کہ ہم مسلمان ہیں **ان یقولوا امنا۔** ہم ایمان لے آئے۔

و ھم لا یفتنون ان کے اس ایمان کی جانچ نہ کی جائے گی جب لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے جب کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں تو ان کے اس دعوے کو پرکھا نہیں جائے گا؟ فرمایا انسانی تاریخ پر غور کرو' اقوام عالم کو دیکھو' اپنے سے پہلی امتوں کو دیکھو تم سے پہلے بھی دنیا پہ انبیاء علیھم السلام مبعوث ہوئے (حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پہلے بڑا لمبا سلسلہ انبیاء و رسل کا رہا ان کی امتیں بھی تھیں۔)

و لقد فتنا الذین من قبلھم اس ہر ایک امت کو آزمائش میں ڈالا گیا اور پرکھا گیا کہ یہ مسلمان ہیں بھی کہ نہیں؟ اور آج اگر ہم آج کے عہد میں اسی آیہ کریمہ کے حوالے سے سمجھنا چاہیں تو ہم ان مسلمانوں کا حال پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے' جو بڑے کھرے مسلمان تھے' جو قرآن کے مثالی مسلمان تھے' جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے براہ راست شاگرد تھے' جو صحابہ کرام تھے۔ جن کا ایمان خلوص سے بھی پر تھا اور جنہوں نے جب کلمہ پڑھا تو کوئی بھی عمل خلاف اسلام کرنے کی تمنا ان کے دل میں نہ رہی۔ سب کچھ چھوڑتے چلے گئے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ان پر بھی اتنی آزمائش ڈالی گئی۔

و زلزلوا زلز الا شدیدا۔ جھنجھوڑ کر رکھ دیے گئے۔ گھر چھڑوا دیئے گئے' رشتے ہی چھڑوا دیئے گئے' ایذائیں دی گئیں' مار پڑی' پٹائی ہوئی۔ بندہ کام تو کرتا ہے آرام کے لئے' نفع کے لئے' آبرو کے لئے' کچھ حاصل کرنے کیلئے اور جو کچھ پاس ہو وہ بھی چلا جائے تو یہ کیا ہے؟ ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی' اگر انہوں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے رشتہ جوڑا' اگر انہوں نے اللہ سے تعلق قائم کیا اور اللہ ہر چیز پہ قادر و کائنات کا واحد مالک ہے۔ قادر مطلق۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام' اللہ کا محبوب ہاتھ اٹھا دے تو جو مانگے وہ عطا ہو جائے' جس طرف نگاہ کرے بہشت و گلزار کھل جائیں تو اللہ سے اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے رشتہ جوڑ کر جو پاس تھا وہ بھی چلا گیا فائدہ کیا ہوا انہیں؟ اصل بات یہی ہے جو آج کے مسلمان کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔ انہیں جو فائدہ ہوا وہ کسی پاگل سے پوچھو' کسی دیوانے سے پوچھو۔ مولانا رومی کہتے ہیں۔

(تعلق جو ہوتا ہے یہ ایک عجیب شے ہوتی ہے)

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود

مجنوں نے کتے کے پاؤں چوم لئے تو لوگوں نے کہا کہ پاگل پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے' بے وقوفی کی بھی کوئی انتہا ہے کتے کے پاؤں چومنا کیا معنی رکھتا ہے؟

گفت ایں سگ گاہے گاہے کوئے لیلیٰ رفتہ بود

اس نے کہا یہ کبھی کبھی لیلیٰ کی گلی میں جاتا ہے۔ یعنی وہ جو اسے تعلق خاطر تھا لیلیٰ کے ساتھ اس میں اسے کتے کی نجاست نظر نہیں آ رہی تھی۔ کتے کے پاؤں کے ساتھ لیلیٰ کی گلی کی مٹی کو بوسے دے رہا تھا

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

صحابہ کرام کو ایمان لا کر براہ راست اللہ سے آشنائی نصیب ہو گئی۔ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنائی نصیب ہو گئی۔ اس میں اتنی لذت تھی کہ جو مار پڑتی وہ برداشت کرتے۔ گھر چھوڑنے پڑے انہوں نے چھوڑ دیے۔ وہ لذت نہیں چھوٹی۔ گھر چھوٹ گئے لذت آشنائی نہ چھوٹی آبرو دینی پڑی' مال دینا پڑا' جان دینی پڑی' جو کچھ پاس تھا لٹا دیا لیکن تعلق میں جو لذت تھی وہ اس کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ ہمارا تعلق جو ہے اس میں وہ لذت نہیں ہے۔ ہم محض دعویٰ کرتے ہیں پنجابی کی ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی کا بھائی بہت بیمار تھا بڑا لمبا مرض تھا اس کا۔ دوسرا بھائی اس کے پاس بیٹھتا تو وہ کہتا یار اللہ تجھے صحت دے دے' اور تیری جگہ مجھے موت دے دے میں زندگی تجھ پر قربان کر

دوں۔ گرمیاں تھیں نہیں دوپہر کو لیٹا ہوا تھا وہ ایک کوٹھے میں وہ پڑا تھا دوسرے کوٹھے میں مریض تھا کہیں باہر سے کسی کا کتا آیا اس نے ہانڈی میں منہ ڈالا اور اس کا سر ہانڈی میں پھنس گیا اب وہ بڑی بلا لگتا تھا۔ کتا تھا' سر پر ہانڈی اسے نظر کچھ آتا نہیں تھا وہ گھبرایا ہوا اس کے کوٹھے میں گھسا اس نے سمجھا کہ ملک الموت ہے۔ کہنے لگا او بھائی ملک الموت! مریض دوسرے کوٹھے میں ہے۔ یعنی دعویٰ تو یہ کرتا تھا کہ تیری جگہ مجھے موت آ جائے لیکن جب وہ ہیبت ناک سی شکل دیکھی تو سمجھا موت ہے اور کہنے لگا "ملک الموت غلطی نہ کرنا مریض دوسرے کمرے میں ہے۔" ہم دعویٰ کرتے ہیں مسلمانی کا لیکن جب بات اطاعت کی آتی ہے تو کہتے ہیں یار یہ تو مشکل ہے یہ عمل ہو نہیں سکتا یعنی ہماری اسلام سے اس بھائی والی محبت ہے۔ لیکن رب جلیل سے دھوکا کرنا ممکن نہیں ہے وہ دلوں کے بھید جانتا ہے اور ان رشتوں پر ان تعلقات پر جو بندے کے اس سے ہوتے ہیں نتائج مرتب فرماتا رہتا ہے۔ وہ ایسی قادر ذات ہے کہ کسی کے ساتھ اس کا رشتہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں یہ بڑی تکلیف میں ہے حالانکہ اسے اس میں بڑی لذت آ رہی ہوتی ہے۔ کسی پر وہ ایسا ناراض ہوتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں یہ ملک پر حکومت کر رہا ہے حالانکہ اس کے اندر دوزخ بھڑک رہا ہوتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں یہ بڑا دولت مند ہے بڑے آرام میں ہے' بڑی عیش میں ہے اس کے اندر اس نے کوئی ایسی مصیبت ڈال رکھی ہوتی ہے کہ اس کے اندر جہنم بھڑک رہا ہوتا ہے۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ کون راحت میں ہے اور کون تکلیف میں؟ لیکن یہ طے ہے کہ راحت اسی کے لئے ہے' سکون اسی کے لئے ہے' عزت اسی کے لئے ہے جس کا تعلق رب جلیل سے استوار ہے اور تعلق کھرا کھرا ہو اللہ کریم فرماتے ہیں۔

و لقد فتنا الذین من قبلھم۔ ان لوگوں سے پہلے جو امتیں گزریں ان کو نہیں پرکھا گیا؟ امتوں کی طرف نہ جاؤ اپنے عہد کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدام کو دیکھو۔ ان پر آزمائش نہیں آئی؟ اور اللہ نے کھوٹے اور کھرے کو الگ الگ نہیں کر دیا؟ اللہ تو جانتا تھا۔ اللہ نے اپنے بندوں کو بھی دیکھا دیا کہ کھرا کون ہے اور کھوٹا کون؟ اور فرمایا یہ مصیبتیں آتی اس لئے ہیں کہ یہ ظاہر ہو جائے **فلیعلمن اللہ الذین صدقوا۔** پتہ چلے کہ سچ کس نے بولا کہ میں ایمان لایا ہوں؟ اپنے دعوے میں سچا کون ہے؟

و لیعلمن الکذبین۔ اور جھوٹوں کا بھی پتہ چل جائے کہ دعویٰ ایمان کا کرتے ہیں اور کام کافرانہ کرتے ہیں اب ہمارے ہاں تو جھوٹ پر جھوٹ بولنا اور بڑے سے بڑا جھوٹ بولنا فن ہو گیا ہے۔ میں پہلے یہ بات صاف کرتا چلوں کہ کیا اسلام آج ناقابل عمل ہے؟ کیوں؟ آج کی مہذب دنیا جو کہلاتی ہے' آج کے دانش اور آج کے ماہرین اقتصادیات سے بڑے بڑے ماہرین اقتصادیات پہلے موجود تھے جو آج نہیں ہیں آج کی نسبت پہلے ادوار کے ماہرین تعمیرات آج والوں سے زیادہ قابل تھے فرعون کے زمانوں کی بنی ہوئی عمارتوں کی تکنیک آج کی ماڈرن ٹیکنالوجی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا مطلب ہے اس زمانے میں آج کی موسٹ ماڈرن ٹیکنالوجی لیزرز استعمال کی گئی تھی۔ اہرام مصر جو ہیں وہ لیزرز ٹیکنالوجی کو سمجھ کر بنائے گئے ہیں۔ یعنی ان کی ساخت' ان کے اینگل' ان کی ہائیٹ' ان کی چوڑائی اور سورج کے ساتھ ان کا زاویہ ایسا ہے کہ ان کے اندر کوئی جانور مر جائے اس کی لاش گلتی سڑتی نہیں ہے۔ لیزرز شعاعیں جو ان پتھروں سے ہو کر اس تک پہنچتی ہے وہ اسے شفٹ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے کوئی گلہری' کوئی کتا بلی گزرتا ہوا ان میں مر جائے تو وہ مہینوں پڑا رہے ویسے کا ویسا رہتا ہے اٹھا کر باہر پھینکتے ہیں خراب نہیں ہوتا۔ یعنی آج موسٹ ماڈرن ٹیکنالوجی ہمارے پاس لیزر ہے "جی لیزر سے ہم آنکھ کا آپریشن کر رہے ہیں"' "جی لیزرز سے ہم زخم سی رہے ہیں"' انہوں نے لیزرز سے صرف آنکھ کا اپریشن نہیں بلکہ لیزرز کو پتھروں میں قید کر کے اس انداز سے منعکس کیا کہ اتفاقاً" نیچے اگر کوئی مردہ جسم آ جائے تو وہ شفٹ ہو جائے گا۔ اس د

مطلب ہے کہ ٹیکنالوجی میں وہ آج کے سائنس دان سے آگے تھے۔ اقتصادیات کے ماہرین' ملکوں پر ٹیکس لگانے کا نظام' تجارتی قوانین' کیا نہیں تھا؟ ماہرین قوانین کہاں نہیں تھے؟ عدالتیں کہاں نہیں تھیں؟ جج کہاں نہیں تھے؟ حکومتیں' سلطنتیں' فوج کہاں نہیں تھی؟ سب کچھ تھا لیکن کیا انسانی تہذیب تھی؟ بھیڑیے تھے۔ اقتصادیات غریب کو لوٹ کر امیر کو مالدار سے مالدار کرنے کے لئے تھی۔ سارے کمالات طبقہ امراء کو آرام اور غریبوں کو مزید پریشان کرنے کے لئے تھے۔ سارے سائنسی کمالات بھی امراء کی سہولیات اور غریبوں کے لئے مسائل کھڑا کرنے کے لئے تھے۔ لیزرز ٹیکنالوجی سے اگر انہوں نے اہرام تعمیر کر لئے تو اس میں لاش فرعون ہی کی رکھی جا سکتی تھی' غریب آدمی کے زخم کا علاج نہیں ہو سکتا تھا۔ بادشاہ جو کہتا وہ قانون ہوتا۔ جو چاہتا وہ حق ہوتا۔ وہ اپنے نیچے چھوٹے چھوٹے گورنر' صوبیدار مقرر کر دیتا وہاں وہ بادشاہ ہوتے۔ انہیں صرف یہ مدنظر رکھنا ہوتا تھا کہ اوپر والا بادشاہ خفا نہ ہو۔ نیچے والے کو ذبح کرو کاٹو لوٹو جو جی چاہے کرو۔ اسی طرح نیچے گاؤں کی سطح تک حکومت کی شاخیں چلی جاتی تھیں۔ کہاں تھا انصاف؟ کہاں تھی عزت؟ کہاں تھا وقار؟ کہاں تھے حقوق؟

یہ اسلام ہی تھا جس نے اس وحشت زدہ نسل آدم کو انسانیت کا درس دیا اور یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تھی جس نے عام آدمی کی رائے کو انسانی رائے کی حیثیت دی۔ پانچ سو سالہ دور فترق کے بعد' عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے پانچ سو سال بعد یہ پہلا معاشرہ تھا (بعثت نبویؐ کا) جس نے امیر غریب' چھوٹے بڑے کے فرق کو مٹا کر رکھ دیا۔ کتنی بڑی سلطنت تھی روما کی! آپ جانتے ہیں۔ نوے فیصد رعیت غلام تھی۔

NINTY PERCENT PEOPLE WERE SLAVES

پورے ملک کی نوے فیصد آبادی غلام تھی اور غلام کی حیثیت رومن ایمپائر میں یہ تھی کہ نہ اس کا مال اپنا ہے' نہ آبرو اپنی ہے' نہ جان اپنی ہے' مالک اس کی بیٹی لے جائے' مالک اس کی بیٹی کسی کو دے دے' مالک اس کا گھر بدل دے' مالک اس کا کام بدل دے' مالک اس کا سرمایہ لے جائے یا مالک اسے ذبح کر دے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا یہی حال کسریٰ کی سلطنت کے مظالم کا تھا۔ یہ اسلام تھا جس نے وحشت زدہ بنی آدم کو انسانیت سکھائی اور جس نے ہر ذی روح کو عزت اور مقام دیا بلکہ اسلام اس بات کو وہاں تک لے گیا کہ اسلام کا حکمران امیرالمومنین جس کی ریاست کی حدود تین چوتھائی زمین پر تھیں وہ کہتا ہے دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھوکا مر گیا تو جواب تو مجھے دینا ہو گا۔ انسان تو انسان جانوروں اور درندوں تک کے حقوق کا تحفظ سکھایا۔ عام آدمی کی رائے کو فوقیت دی اور ایک بیوہ بڑھیا امیرالمومنین کو گلی میں دامن پکڑ کر روک لیتی ہے اور اپنا حق مانگتی ہے۔

پھر یہ جو آج کے دانشور ہیں ان سے یہ بھی پوچھئے کہ حکومت کا جو سٹرکچر' جو ڈھانچہ مسلمانوں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیمات کی روشن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی روشنی میں بنایا تھا' جو خلفائے راشدین نے ترتیب دیا تھا کہ ملک ہو ملک کا سربراہ منتخب کیا جائے پھر اس کی ایک کابینہ ہو پھر ان کے مختلف محکمے ہوں پھر اقتصادیات کا ایک نظام ہو پھر پولیس الگ ہو فوج الگ ہو اس کی چھاؤنیاں ہوں ایک بحری فوج ہو یہ سارا نظام کہاں تھا اسلام سے پہلے؟ اور آج تک جدید ماہرین نے اس میں کیا اضافہ کیا ہے؟ ذرا وہ بتایا جائے۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ جو سٹرکچر' جو ڈھانچہ حکومت خلفائے راشدین نے بنایا تھا کہ زمین کی تقسیم ہو اس طرح تحصیل' ضلع ہوں اس کی پیمائش ہو' چپہ چپہ زمین کے رقبے کا پتہ ہو' اس کا مالیہ لگان' اس تک پانی پہنچانے کا اہتمام ہو۔ آج تک دنیا کا کوئی دانش ور نہ متبادل نظام پیش کر سکا نہ اس پر کوئی بڑھوتری کر سکا۔ تبدیلی اگر ہوئی' سوشلسٹوں نے تبدیلی کی تو وہ ایک ظالمانہ نظام لے آئے۔ لیکن حاکم' اس کے مشیر' اس کے ارکان' اس کی پولیس' اس کی فوج' اس کے ضلع' اس کے صوبے یہ ان کی بھی مجبوری رہی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکے۔

سرمایہ دارانہ نظام، جمہوری نظام میں بھی وہ کوئی تبدیلی نہ لا سکے۔ یعنی وہ سٹرکچر جو خلفائے راشدین نے بنا کر دیا تھا دنیا کی کونسی قوم اس میں اضافہ کر سکی؟ ذرا یہ تو بتایا جائے۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ آج کے ہمارے اقتصادی نظام جس میں ہم جی رہے ہیں میں میں وہ ٹیکس دیتا ہوں جو محکمے والے مجھ سے گردن پکڑ کر لے لیتے ہیں وہ میرا بنتا نہیں ہے اور میری اس بات کو کوئی سنتا بھی نہیں ہے کہ مجھ پر اتنا ٹیکس آتا ہے یا نہیں۔ آپ بھی دیتے ہیں۔ ماچس کی ڈبیہ میں بھی ٹیکس ہے، دال آٹے میں اور روٹی میں بھی ٹیکس کی رقم شامل ہے چولہا جلانے کی گیس اور بجلی میں بھی غرض ٹیکس کی رقم شامل ہے۔ ہر شعبے میں کچھ تو انکم ٹیکس ہی ہے جن کی انکم نہیں ہے وہ کھانے پینے کی ہر چیز میں، کپڑے جوتے میں بھی ٹیکس دے رہے ہیں۔ کہاں جاتا یہ روپیہ؟ ملک کا ایک آدمی چالیس پیسے کی دوا کی گولی کے لئے مر جاتا ہے اسے وہ نہیں ملتی دوسرا آدمی چالیس کروڑ کے ریس کے گھوڑے منگوا لیتا ہے کیوں؟ اس لئے یہ جو ٹیکس وصول ہو رہے ہیں وہ اس کے قبضے میں ہیں اور جو دے رہے ہیں ان کی طرف لوٹ کر دوائی کی ایک گولی تک نہیں جاتی یہ ظالمانہ اقتصادی نظام چل سکتا ہے اور وہ اقتصادی نظام نہیں چل سکتا جس میں جن سے ٹیکس لئے جاتے ہیں وہ ان کی امانت سمجھ کر واپس ان پر خرچ کر دیے جاتے ہیں۔ وہ کسی ایک شہنشاہ یا بادشاہ کے باپ کی جاگیر نہیں ہے وہ منصفانہ نظام نہیں چل سکتا اور ظالمانہ نظام چل سکتا ہے! میرے بھائی! حکمران تو ڈوبا ہوا ہے اپنی لذت میں اور ان کروڑوں اربوں کی کھیل میں وہ مزے کر رہا ہے۔ مجھے حیرت تو اپنے جیسے لوگوں پہ ہوتی ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں جی اسلام پر عمل مشکل ہے یہی نظام صحیح ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم ایسا کیوں کہتے ہیں؟ حاکم کہتا ہے یا حکمران طبقہ کہتا ہے تو وہ تو لوٹ رہے ہیں اور مسکین کو، غریب کو لوٹ کر دولت مند کی طرف اس کا خون چوس کر لے جا رہے ہیں وہ کہتے ہیں یہ سسٹم صحیح ہے۔ لیکن جن کا خون چوسا جا رہا ہے یہ بدبخت بھی کہتے ہیں یہی صحیح ہے اسلام پر عمل ممکن نہیں ہے۔

آج کے تاجر سے پوچھئے جو بات بات پہ ٹیکس دیتا ہے اور پھر ایک ایک غریب کا خون نچوڑ نچوڑ کر اسے پورا کرتا رہتا ہے۔ اسلام نے تو امپورٹ پر ایک دفعہ ٹیکس لگایا ہے کہ سرحد سے مال اندر آئے تو حکومت اس پر جائز سا ٹیکس لے سکتی ہے جس سے وہ چیز گراں نہ ہو، چیز مہنگی نہ ہو، لوگوں کی رسائی سے اوپر نہ ہو جائے AND THATs ALL پھر وہ چیز ضلع میں جاتی ہے، صوبے میں جاتی ہے، دس دفعہ ملک میں بکتی ہے شرعاً حکومت کو اس پہ ٹیکس لینے کا کوئی حق نہیں۔ انکم ٹیکس اللہ نے فرض کر دیا ہے کہ جس بندے کے پاس چالیس روپے ایک سال تک باقی رہیں ان میں سے وہ ایک روپیہ انکم ٹیکس دے۔ اگر ملک میں سے دیانت داری سے زکوٰۃ جمع کی جائے تو اس ملک کو مزید کسی ٹیکس کی ضرورت ہی نہیں رہتی وہی اس کی فوجی ضروریات بھی پوری کر دیتا ہے اور سول کی ضروریات بھی فرض پورا نظام حکومت چلا دیتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ غریب بھی کہتا ہے جناب یہ نظام منظور نہیں ہے وہ ٹھیک ہے جس میں لٹ رہا ہے، پس رہا ہے، ذلیل ہو رہا ہے۔ اب آپ کو سمجھ آ گئی ہے کہ اسلام ناقابل عمل کیوں ہے؟ امراء کے لئے ناقابل عمل ہے۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کا خون چوس کر عیش کر رہے ہیں ہمارے لئے ناقابل عمل اس لئے ہے کہ ہم بے وقوف ہیں ہمیں اپنے بھلے کی تمیز بھی نہیں۔ ہم ان کی لے میں لے ملاتے ہیں۔

امریکہ کی خاتون اول پاکستان تشریف لائی اور تشریف لانے سے پہلے وہاں سے ارشاد فرما دیا کہ اسلام نے عورتوں کی گواہی کو آدھا قرار دے کر ناانصافی کی ہے یعنی اسلام نے عورت کو مرد کیوں نہیں مانا؟ وہ کہہ سکتی ہے اس لئے کہ امریکہ میں ہم جنس پرستی عروج پر ہے امریکہ میں مرد کو مرد اور عورت کو عورت سے شادی کرنے کی اجازت ہے وہ تو کہہ سکتی ہے کہ عورت مرد برابر ہیں۔ گویا اسلام نے بڑی

غلطی کی عورت کو مرد کے برابر کیوں نہ کہا وہ تو ہیں ہی برابر برابر۔ ان کا کیا ہے۔ اس کے کہنے کا صدمہ نہیں ہے صدمہ ان کا ہے جو اس کی راہ میں آنکھیں بچھا رہے ہیں۔ جو اس سے امید فلاح رکھے ہیں۔ ٹی وی پر ہمارا ایک "عینک والا جن" ہوتا ہے وہ فرما رہا تھا کہ امریکہ دنیا کا امیر ترین ملک ہے' یار! کتنا غلط پراپیگنڈہ ہے یہ۔ دنیا میں سب سے مقروض ترین ملک امریکہ ہے دنیا میں جتنے ملک ہیں اس وقت سب سے زیادہ قرضہ جس ملک پر ہے وہ امریکہ ہے اور ایسا بدمعاش ہے کہ اقوام متحدہ کے سارے فنڈز بھی امریکہ کھا جاتا ہے اور بیس بیس سال تک نہیں دیتا لوگ جو چندے دیتے ہیں وہ بھی یہ کھا جاتا ہے۔

ہ بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو امیدی

یعنی امیدیں امریکہ سے' دیار مغرب سے' نظام مغرب سے اور اللہ سے کوئی امید نہیں ہے

ہ تو مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اس کردار کے ساتھ امید یہ ہے کہ ہم پہ فرشتے نازل کیوں نہیں ہوتے؟ میرے بھائی! اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے برائی پر کمر باندھ لی ہے اور طے کر لیا ہے کہ ہم برائی ہی کریں گے باز نہیں آئیں گے۔ ان کا کیا خیال ہے کہ یہ مجھ سے بھاگ جائیں گے؟

ان یسبقونا میری پکڑ میں نہیں آئیں گے؟ **ام حسب الذین یعلمون السیات ان یسبقونا** ان کا کیا خیال ہے کہ یہ چند روزہ مہلت جو انہیں ملی ہے تو یہ سدا ایسی ہی رہے گی۔ یہ اللہ کی گرفت میں آئیں گے۔ **ساء مایحکمون** فرمایا انہوں نے اپنی حق میں بڑا غلط سوچا ہے اور یہ یاد رکھو!

جس نے مفادات و لذات کا اسیر ہونے کی بجائے اللہ کی رضا کو ترجیح دی وہ بھی تسلی رکھے۔ **فان اجل اللہ لات** اللہ کا وعدہ یقیناً پورا ہونے والا ہے اور یہ بھی یاد رکھو **و ھو السمیع العلیم** تمہاری ہر بات وہ خود سنتا ہے اور ہر حال سے خود واقف ہے۔ یہ بات تو ہو گئی ان وئوں کی جو جھوٹ بولتے ہیں کہتے ہیں مسلمان ہیں اور کام کافروں جیسے کرتے ہیں لیکن اگر کوئی واقعی مسلمان بھی ہے تو فرمایا وہ مجھ پر کون سا احسان کرتا ہے۔

و من جاھد اور اگر واقعی کوئی خلوص دل سے محنت کرتا ہے **فانما یجاھد لنفسہ** تو اس محنت کا ثمر پاتا ہے۔ اپنی بہتری کے لئے عبادت کرتا ہے' اپنی بہتری کے لئے رشتہ جوڑتا ہے' اپنے آپ کو میرے قریب لانے کیلئے محنت کرتا ہے۔ اس میں اس کا اپنا فائدہ ہے اللہ تو بندوں کا محتاج نہیں ہے۔ **ان اللہ لغنی عن العلمین** خدا کو تو بندوں کی ضرورت نہیں ہے بندے کو اللہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا احسان وہ بھی نہیں کرتا ہاں فرمایا میں یہ احسان کرتا ہوں کہ جب کوئی ایمان لے آئے اور اس کا عمل اس کے ایمان کی تائید کرے

و الذین امنو و عملوا الصلحت۔ ایمان لائے اور عمل اس کا صالح ہو جائے۔ عمل اس کے ایمان کی تائید کرے۔ **لنکفرن عنھم سیاتھم۔** پھر اس سے جو بحیثیت انسان غلطیاں ہو جاتی ہیں میں معاف کر دیتا ہوں جو کوتاہیاں ہو جاتی ہیں میں درگزر کرتا ہوں جو خطا ہو جاتی ہے میں معاف کر دیتا ہوں۔

و لنجز ینھم احسن الذی کانوا یعملون۔

اور وہ جتنا کام کرتا ہے میں ہمیشہ اس سے زیادہ اسے اجر دیا کرتا ہوں یعنی کوئی میرا بندہ ایسا نہیں ہے کہ جس نے دس روپے کی عبادت کی ہو اور میں نے اسے دس ہی دیے ہوں۔ میں دس والے کو دس ہزار دیتا ہوں۔ میں دس کے دس نہیں دیتا۔ کوئی کرے سہی۔ ہر عمل کا اجر بہترین اور اس سے زیادہ اور بڑھا کر عطا کرتا ہوں۔ اب بڑھوتری اپنی اپنی شان کے مطابق ہوتی ہے۔ جس طرح اس کی شان عظیم ہے' اس کی ذات عظیم ہے اسی طرح اس کی عطا بھی عظیم ہے۔

تو میرے بھائی! بڑا سادہ سا علاج ہے کہ جب ہم کہتے ہیں مسلمان ہیں تو اپنے کردار کو بھی اسلام کے سانچے میں

ڈھائیں۔ ہم یہ کہتے ہیں ملک پر اسلامی سلطنت قائم ہو اور اسلام کی حکومت ہو پہلے ہم اپنے اس ملک پر' اس وجود پر' اس چھوٹے سے پاکستان پر اسلام کو نافذ کریں یہ بندوق سے نافذ نہیں ہو گا۔ بندوق سے اور فساد ہو گا لاٹھیاں برسانے سے' بسیں جلانے سے' دکانیں لوٹنے سے اسلام نافذ نہیں ہو گا اور گناہ کر کے اس کے نتیجے میں آپ کو اسلام نصیب ہو یہ کبھی نہیں ہو گا نیکی نیکی کے راستے سے آئے گی بھلائی بھلائی کے راستے سے آئے گی۔ بدمعاشی کے راستے سے دین نافذ نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ہمارے بعض طبقوں نے شروع کر رکھا ہے کہ اسے گولی سے اڑا دو' اس کی گردن کاٹ دو' اس کی آج بھی وہی صورت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بندے کو اسلام کا سمبل (Symbol) اور نمونہ بنا دیا تھا۔ اگر کفر نے مکہ مکرمہ میں انہیں اسلام پر عمل کرنے سے روکنا چاہا تو انہیں جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ آپ بھی اپنے آپ پر اسلام نافذ کریں پھر کوئی مجبور کرے کہ کافرانہ کام کرو تب اجازت ہے دفاع کی۔ وہ بھی اگر کوئی مجبور کرے تو۔ یہاں کوئی کسی کو مجبور نہیں کرتا' کوئی نہیں کہتا ضرور سود کھاؤ' کوئی نہیں کہتا کہ تم گناہ ضرور کرو بلکہ جھوٹ بولنے سے' گناہ کرنے سے آدمی اگر بچے تو اس معاشرے میں' اس موجودہ قانون میں بھی اس کے لئے سہولت ہے۔ جرم کرنے پر تو سزا ہی ملتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم نے اس ایک وجود پر اسلام نافذ کر لیا تو ہم نے اس ملک کے بارہ کروڑویں حصے پر تو نافذ کر لیا۔ یہ وجود بھی ایک منی پاکستان ہے۔ بارہ کروڑواں حصہ ہے اس قوم کا اگر ہم پوری قوم اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس ٹکڑے پر جو ہمارے قابو میں ہے نافذ کیجئے۔ پھر جس کا آپ سے تعلق' رشتہ' دوستی ہے اسے مشورہ دیجئے۔ یوں دیئے سے دیا جلتا جائے گا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس ملک میں کوئی آپ کو اس سے روکے گا نہیں اور اگر کوئی اس سے روکے گا تو پھر جہاد کی اجازت اللہ نے دی ہے یہ جہاد ہو گا کہ کوئی آپ کو دین پر عمل کرنے سے روکتا ہے' کوئی حرام کھانے پہ مجبور کرتا ہے' کوئی عبادت کرنے سے روکتا ہے' کوئی بت پرستی کی طرف لے جانا چاہتا ہے تو اس کے جبر کو روکنے کے لئے آپ جو دفاع کریں گے وہ جہاد ہو گا یہ جہاد نہیں ہے کہ بیٹھے بٹھائے کسی کو گولی مار دو۔ آپ کے لئے وہ واجب القتل کیسے ہو گیا؟ کس نے اجازت دی ہے کہ جو بندہ چاہے جس کو چاہے گولی مار دے؟ یہ کون سی شریعت ہے؟ کون سے دین کی خدمت ہے؟ کونسا اسلام ہے؟

لیکن اگر میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔ اب یہاں انشاء اللہ اسلام نافذ ہو گا۔ دو باتیں تھیں مکہ والوں میں۔ ایک بات یہ تھی کہ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ہمارا جو معاشرہ اور جو قانون ہے' جو سیاست ہے اور معیشت ہے یہی صحیح ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں یہ ممکن ہی نہیں۔ دیوانے کی بڑ ہے۔ یہ شاعرانہ تخیل ہے اور اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ لوگ ایسے تھے۔ سارے کافر یہ نہیں کہتے تھے لیکن کچھ ایسے کافر بھی تھے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرتے تھے۔ غیرت الٰہی نے مکہ مکرمہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح کرا کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسلام کا مرکز بنا دیا۔ جہاں وہ کہتے تھے اسلام آ نہیں سکتا وہاں توہین کرنے والے ذلیل و رسوا' تباہ اور ہلاک ہو گئے۔ انہیں توبہ کی توفیق بھی نہ ملی۔ اس ملک میں بھی اب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام یہاں ممکن نہیں یہ ناقابل عمل ہے اور توہین رسالت بھی بڑے دھڑلے سے کی جاتی ہے۔ وہ دونوں باتیں مکہ والی یہاں موجود ہیں۔ آپ کی عدالت انصاف' جس کے تحت ہزاروں لوگ کئی کئی سالوں سے سزائے موت کی کوٹھڑیوں میں بیٹھے اپنی زندگیوں کے فیصلوں کا انتظار کر رہے ہیں' جن کے چھوٹے چھوٹے بچے' بیویاں' گھر اجڑ گئے (اگر مجرم ہیں تو انہیں لٹکا دو ہینگ کرو بے گناہ ہیں تو انہیں کئی کئی سال موت کی کوٹھڑی میں قید رکھ کر کیوں بیٹھے ہو) ان کا فیصلہ نہیں ہو پا رہا۔ توہین رسالت والوں کا بارہ دنوں میں ہو گیا وہی کورٹ ہے' وہی ججز ہیں' وہی عدالت ہے اور

بارہ دنوں میں باعزت بری ہو گئے۔ دس دس ہزار ڈالر ہر ایک کو حکومت نے آپ کے اور میرے خون پسینے کی کمائی کے ٹیکسوں سے دیا اور یہاں سے امریکہ بھیج دیا۔

تو یہاں بات مکہ والوں سے زیادہ بڑھ گئی ہے (اسلام کے خلاف۔) ہم سے تو شاید نہ ہو سکے غیرت الٰہی اسلام یہاں نافذ ضرور کرے گی۔ اللہ کرے ہمیں یہ سعادت مل جائے کہ ہم اس قافلے میں شامل ہو جائیں جو نفاذ اسلام کے لئے کام کر رہا ہے۔ اگر ہم نہ بھی ہوں گے تو بھی یہ کام ہو جائے گا۔ ہم محروم رہ جائیں گے کیونکہ پہلی تاریخ اپنے آثار سے مستقبل کو متعین کرتی رہتی ہے۔ جیسا کہ پہلے فرمایا کہ اپنے سے پہلوں کو دیکھو اور نتائج اخذ کرو تو آج ہم اس زمانے کو دیکھ کر نتیجہ اخذ کریں تو حاصل یہ آتا ہے کہ اسلام انشاء اللہ اس ملک کا مقدر ہے۔ ہماری خوش نصیبی یہ ہے کہ اللہ ہمیں توفیق دے اور ہم اس قافلے میں مل جائیں جو نفاذ اسلام کے لئے کوشاں ہے۔

(23-3-95)

- اگر تو نے ہزار سال بھی چیتگاری پر ماتھا ٹیک کر اللہ کو سجدہ کیا مگر تیرے قلب کا رُخ دوسرے کی طرف رہا تو کچھ بھی مفید نہ ہوگا۔
- اگر زبان عالم ہے اور قلب جاہل تو نافع نہیں
- توبہ حقیقت میں تبدیلی حکومت ہے پہلے نفس حاکم تھا۔ اب اللہ۔
- عزیز من! عمل پر مغرور مت ہو۔ اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے۔ حق تعالیٰ سے یہ درخواست کر کہ وہ تیرا خاتمہ بخیر فرمائے اور اس عمل پر تیری روح قبض فرمائے جو اسے سب سے پیارا ہو۔

—— حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح

جینا کس مقصد کیلئے؟

مولانا محمد اکرم اعوان

جس مقصد کے لئے یہ سارا اہتمام کیا جاتا ہے ہم اس مقصد کو پا کر سرخرو ہو سکیں اس کی بارگاہ میں۔ مختصراً میں یہ عرض کر دوں جو حاضر ہیں ساتھی وہ ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں کہ وہ مقصد ہے کیا جس کے لئے ہم اتنا اہتمام کرتے ہیں جس کیلئے عمریں کھپ گئیں ہماری اور جب سے قدم رکھا ہے اس وادی میں بحمداللہ کسی دوسری طرف دیکھنے کی فرصت نہ ملی وہ اتنا اہم کام کیا ہے؟ جس کے لئے زندگیاں وقف کی جا سکیں جس کے لئے اتنا اہتمام کیا جائے جس کے لئے لاکھوں لوگوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے جس کے لئے حضرات و خواتین کوایک خاص تربیت دی جائے اگر تو اس کا مقصد صرف تبلیغ ہے تو ضروری نہیں کہ جو ہم کر رہے ہیں یہی تبلیغ ہو۔ تبلیغ کے بے شمار انداز ہیں اور ہر عالم دین ہر اچھا اور نیک مسلمان ہر پڑھا لکھا مسلمان ہر وہ بندہ جو کہیں اخبار میں لکھتا ہے یا کسی رسالے میں کسی نہ کسی انداز سے دین کی بات بھی ضرور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے پھر ایسے شعبے بھی ہیں جہاں لوگوں نے خود کو صرف تبلیغ کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اگر ہمارا مقصد صرف نوافل پڑھنا یا تسبیحات پڑھنا ہے تو اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہم ساتھیوں کو احباب کو ان تربیتی کورسز میں ڈالیں اور اتنا تکلف کریں جہاں ہیں وہاں یہ سارے کام ہو سکتے ہیں مسائل سیکھنے کے لئے بھی کسی خاص تردد کی ضرورت نہیں ہے جہاں جہاں کوئی ہے وہاں بحمد اللہ مدارس بھی ہیں علماء بھی ہیں بتانے والے بھی ہیں آدمی جاننا بھی چاہے سیکھنا چاہے تو اللہ کا احسان ہے ہر شہر ہر قریے اور ہر گاؤں میں ہر جگہ یہ سہولتیں دستیاب ہیں علماء کرام موجود ہیں اور سیکھا جا سکتا ہے پھر وہ کون سی عجیب بات ہے جو ہم چاہتے ہیں یہ واقعی ایک بالکل الگ اور نرالی بات ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے میں آپ سے عرض کر دوں آپ کو یہ سمجھنا ہو گا کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں ہر کام کا سبب ہوتا ہے اللہ کریم کی سنت ہے اس نے خود یہ نظام بنا ایسا دیا ہے اور عجیب بات ہے کہ ایک ہوتا ہے قانون۔ قانون الگ چیز ہے ایک ہوتا ہے سبب وہ الگ چیز ہے آپ دیکھیں گے کہ اس جہان میں قدرت باری نے قوانین کو نظر انداز فرمایا اور اس ضابطے اور قانون کے خلاف ایک کام کر دکھایا مثلاً قانون ہے کہ ماں اور باپ سے بیٹا پیدا ہوتا ہے اولاد پیدا ہوتی ہے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا یہ قانون کے خلاف ہے اظہار قدرت کے لئے کہ میں قادر ہوں میں قوانین کا پابند نہیں میں محتاج نہیں ہوں یہ میری مرضی کہ میں نے قانون بنا دیے ورنہ میں قادر ہوں اس کے بغیر بھی چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ اب اس نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کو ماں اور باپ کے بغیر بنا دیا

اس نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کبھی مرد سے تو کوئی چیز ولادت نہیں ہوتی اس نے اماں حوا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پہلو سے پیدا فرمایا یہ قانون جو ہے اس کے خلاف کر کے اظہار قدرت فرمایا لیکن ہر جگہ سبب کو نہیں چھوڑا۔ اگر آپ اماں حوا اور آدم علیہ السلام کی پیدائش کا سبب ڈھونڈیں گے تو نہیں ملے گا اس لئے کہ وہ عالم اسباب نہیں تھا وہ بات بالائے آسمان کی ہے جنت کی ہے زمین پر جب آئیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت زمین پر ہوئی قانون نظر انداز فرمایا لیکن جبرائیل امین کو حکم دیا کہ تم جا کر دم کر دو سبب نظر انداز نہیں فرمایا جبرائیل امین علیہ السلام کے دم کرنے کو سبب بنا دیا اس لئے کہ یہ عالم اسباب ہے اور سنت اللہ جو ہے اس کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں ہوتا اللہ خود اپنی سنت کے خلاف کبھی نہیں کرتے۔ **ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا** ۔ کبھی آپ سنت اللہ کو تبدیل ہوتے ہوئے نہیں دیکھیں گے یہی اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے بنی نوع انسان کے سامنے۔ پانی مرضی سے برساتا ہے اور جہاں چاہتا ہے ایک ایک قطرے کو پہنچاتا ہے لیکن اسباب بنا دیے ہیں تمازت آفتاب کو سبب بنا دیا بادل کے وجود کو سبب بنا دیا ہواؤں کو اٹھا کر لے جانے کا حکم دے دیا اب وہ قادر ہے جہاں چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے انہی بادلوں سے گرتی ہے اور سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ایک چمک میں جو بجلی ایک بادل خارج کرتا ہے اگر وہ بجلی کہیں قید کی جا سکے سٹور کی جا سکے پکڑی جا سکے تو کسی بھی ملک کو برس ہا برس تک کے لئے وہ بجلی کافی ہے۔ اتنی بجلی ایک چمک میں اس بادل سے نکلتی ہے کہ اگر کوئی اسے پکڑ سکے اور اسے وہ سٹور کر سکے تو برس ہا برس کسی بڑے سے بڑے ملک کو اس کے سارے کارخانے بتیاں چلانے کے لئے وہ بجلی کافی ہے اتنی ہوتی ہے لیکن ہم نے تو عمر گزار دی بادلوں سے گزرتے ہوئے اور بادلوں کو جہاز میں بیٹھے ہوئے گرجتے بھی دیکھا برستے بھی دیکھا بادلوں سے جہاز اوپر چلے گئے نیچے چلے آئے پتہ نہیں وہ بجلی کہاں ہوتی ہے آج تک کسی جہاز کو اس بجلی نے پکڑا نہیں جہاز میں بیٹھے ہوئے کسی بندے نے کبھی نہیں محسوس نہیں کی وہی بادل جب گرجتا ہے تو اتنی بجلی خارج ہوتی ہے وہی بجلی جب زمین پہ پھینکتا ہے تو دھنس جاتی ہے زمین بھی پہاڑ جل جاتے ہیں درخت تباہ ہو جاتے ہیں لوگ مر جاتے ہیں یہ اس کے اپنے قدرت کے کمالات ہیں جو جو طریقہ جس طرح ہے جس کام کو جس چیز کا سبب بنایا ہے وہ وہاں ہے ایک بہت بڑا درخت سب سے بڑا درخت برگد کا اور پیپل کا ہوتا ہے اس سارے کو خشخاش سے بھی چھوٹے سے بیج میں بند کر دیا ہے یعنی سب سے چھوٹا بیج سب سے بڑے درخت کا ہوتا ہے ایک خشخاش سے بھی کم دانہ ہوتا ہے اس میں اگر وہ پھوٹ نکلے تو پورا برگد کا پیڑ نکل آتا ہے اب وہ ایسا قادر ہے کہ یہ دانے کہاں پہنچیں گے وہ دانہ اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ سارے دانے زمین میں ملا دو وہ نہیں پھوٹتا لیکن اگر اسے کوئی پرندہ کھا لے اور پرندے کے معدے سے ہو کر وہ نکل جائے تو اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ پھوٹ نکلتا ہے آپ دیکھیں گے پیپل۔ برگد درختوں کی کھوہ میں دیواروں میں مکانوں کے ساتھ اگے ہوئے ہوتے ہیں یہ وہ بیج ہوتے ہیں جو کوئی پرندہ وہاں گرا جا ہے اس پرندے کو سبب بنا دیا کہ وہ اپنی غذا تلاش کرتا ہے تو وہ اس کا پھل کھا لیتا ہے برگد کے ایک پھل میں ہزاروں لاکھوں سے زائد بیج ہوتے ہیں کوئی نہ کوئی بیج ان میں سے اگ پڑتا ہے درخت بن جاتا ہے۔ ہر کام کے اللہ نے اسباب بنائے ہیں ایک دانے سے سینکڑوں خوشے نکالتا ہے ہزاروں دانے ان میں بھر دیتا ہے ایک ذرے سے کتنے آفتاب پیدا کر سکتا ہے ایک ذرہ بے مقدار میں اس نے ایٹمی قوت چھپا کر رکھ دی ہے وہ قادر ہے تو ایک کام بڑا عجیب ہے جس کا اللہ کریم نے وعدہ فرمایا اعلان فرمایا وعدہ نہیں اعلان فرمایا وہ یہ **انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون** ۔ میں نے اس قرآن کو اس کتاب کو اس دین کو اسلام کو میں نے نازل کیا ہے میں اس کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اب حفاظت الٰہیہ اس کتاب حکیم کو اس دین برحق کو

اس پیغام رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے اس دین کو حاصل ہے۔ لیکن اللہ کریم عالم اسباب میں اس کی حفاظت اسباب سے فرمائیں گے۔ سبب بنائیں گے حافظوں کو سبب بنا دیا اس کے متن کی حفاظت کا دنیا کی کوئی کتاب چھوٹی سے چھوٹی کتاب آپ خود ازبر کر کے تماشہ دیکھ لیجئے مفہوم شاید یاد رہ جائے الفاظ بدل جائیں گے جملے بدل جائیں گے اس پوری کتاب کو ایک چھوٹا سا بچہ حفظ کر لیتا ہے اور پھر ایک ایک لفظ موتیوں کی طرح پرو کر بیان کر دیتا ہے یہ اعجاز رکھ دیا ہے اس میں۔ ایک دفعہ پڑھیں ایک کتاب کو دو دفعہ پڑھیں دس دفعہ پڑھیں آدمی سیر ہو جاتا ہے کہ بڑی دفعہ پڑھ لی پھر اس کتاب کا نام آتا ہے اپنی الماری میں نظر آتی ہے ہم اٹھا کر آگے رکھ دیتے ہیں یہ تو میں نے تین دفعہ پڑھی ہے اس میں وہ مٹھاس رکھ دی کہ کوئی لمحہ نصیب ہو جائے بندہ چاہتا ہے پھر پڑھ لیں یعنی جتنی زیادہ دفعہ پڑھو اتنی زیادہ لذت آتی چلی جائے گی اگر کسی کو معانی کا شعور ہے تو ہر بار اسے نئے معانی ملتے چلے جائیں گے یہ سارے کیا ہیں حفاظت کے اسباب ہیں کسی کو اس نے قاری بنا دیا دوسرے کو مفسر بنا دیا تیسرے کو محدث بنا دیا کہ حدیث ہی مفاہیم قرآن ہے معانی قرآن ہے۔ قرآن کے مضامین قرآن چاہتا کیا ہے کتاب کا مطلب کیا ہے؟ یہ حدیث ہی متعین کرتی ہے یہ منصب رسالت ہے جو نبی علیہ السلام وحی سننے کا اہل ہے وہی نبی علیہ السلام وحی سمجھنے کا اہل ہے ہم جس طرح نبی علیہ السلام سے قرآن وصول کرنے میں محتاج ہیں اسی طرح قرآن کے معانی سیکھنے میں محتاج ہیں یہ فرائض نبوت میں سے ہے۔

لتبین للناس مانزل علیھم - میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا ہے لوگوں کو ان پر کیا نازل ہوا ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ احادیث میں علماء کرام جانتے ہیں کہ بارہا متعدد آیات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مبارکہ سنا کر تلاوت فرما کر صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار فرمایا کہ جانتے ہو اس کا مفہوم کیا ہے تو وہ لوگ جو عربی ادب کے ماہرین تھے ان کا جواب یہ ہوتا تھا۔ **اللہ و رسولہ اعلم** - اللہ جانتا ہے اللہ کا رسول جانتا ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتا ہے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے سے جانیں گے سبب بنا دیا ہے حفاظت قرآن کا محدثین کو مفسرین کو۔

لیکن کمال حفاظت قرآن کی یہ ہے کہ قرآن جو ایک نظام حیات ہے قرآن جو ایک نظام سیاست ہے قرآن جو ایک نظام معیشت ہے قرآن جو ایک نظام عدالت ہے قرآن جو ایک زندگی کا پورا نصاب ہے وہ روئے زمین پر نافذ بھی ہو اور تاریخ انسانی میں آپ نگاہ دوڑائیں انبیاء علیھم الصلوۃ والسلام نے خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ محنت جس بات پہ کی وہ نفاذ اسلام ہے قرآن کو یاد کرنے کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خادم کے ذمے لگوا دیا کہ ان کو یہ آیتیں یاد کرا دیں عبادات سکھانے کا کام خدام سے لیا گیا کہ انہیں عبادات سکھا دیں تسبیحات ایک دفعہ ارشاد فرمائیں اور اجازت دے دی کہ جو سن رہا ہے وہ دوسروں کو بتا دے احکام فقہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں علماء سکھاتے بھی تھے فقہاء بتاتے بھی تھے مفتیان کرام بھی تھے ایسے صحابہ موجود تھے جن سے فتویٰ لیا جاتا تھا لیکن نفاذ اسلام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دو دو زرہ بکتر پہنے۔ خود بدر واحد سے گزرے خود غزوات و سرایہ میں تشریف لے گئے خود اپنی ذات پر حکومت کا بوجھ اٹھایا اور خلافت الہیہ کا حق ادا کر دیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر خلافت قائم کر کے۔ یہ ہے نفاذ قرآن کا سبب۔ ہماری آرزو یہ ہے کہ اللہ ہمیں نفاذ قرآن کا سبب بنا دے۔ اللہ ہمیں وہ قوت دے دے کہ اللہ کی زمین پر ہم اللہ کی حکومت قائم کرنے کا سبب بن جائیں ہو یا نہ ہو یہ اس کی مرضی زمین اس کی ملک اس کا لوگ اس کے وہ جو چاہے کر سکتا ہے نہیں چاہے گا نہیں کرے گا۔ لیکن ہمارا مصرف یہ ہو جائے ہمارا یہ

مشت غبار ہمارا یہ گناہوں سے آلودہ وجود ہمارے یہ بیمار خون ہمارے یہ کمزور بدن کاش وہ منظور فرما لے اور نفاذ اسلام کا سبب بن جائیں اسلام نافذ ہو نہ ہو یہ اس کی مرضی۔ فتح کس کو ہوتی ہے شکست کس کے مقدر میں ہے ہمارا یہ جھمیلہ نہیں ہے ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کہ حکومت کس کے پاس ہے حکمران کون ہے یا ہمیں حکومت دے دی جائے اقتدار دے دیا جائے نہیں ہم ہوں یا نہ ہوں ہم رہیں یا نہ رہیں ہمارا کوئی نام لے یا نہ لے ہماری کوئی حیثیت بنے یا نہ بنے غرض یہ نہیں ہے غرض یہ ہے کہ اس وطن عزیز پر جو محض دین کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس پر دین کو نافذ کرنے کا سبب ہمیں بھی بنا دے۔

اللہ جل شانہ نے شہید کے خون کی بات کرتے ہوئے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا و مافیہا جو کچھ دنیا میں رب نے تخلیق فرمایا ہے شہید کے خون کا ایک قطرہ اس سب سے زیادہ قیمتی ہے اللہ کے نزدیک نظام ہے اس کا حیات آتی ہے حیات مستعار ہے اس کے پیچھے موت آتی ہے اور موت ایک نئی زندگی کی طرف لے جاتی ہے لیکن اس نے فرمایا شہید کون ہوتے ہیں پتہ ہے جو نفاذ قرآن۔ نفاذ اسلام کے لئے اپنی جان ہار جاتے ہیں وہ شہید ہوتے ہیں۔ شہید ہونا اور بات اور اعزازی شہید ہونا اور بات واقعی پاس ہونا ایک اور بات ہے اور رعایتی نمبر لے کر پاس ہو جانا ایک اور بات ہے یوں تو حادثاتی موت کو بھی شہید کہہ دیا گیا شہادت دے دے اللہ کریم ہے اس نے عطا کر دی جل کر مر گیا شہید ہے ڈوب کر مر گیا شہید ہے لیکن برسرمیدان جان بکف ہو کر ارادتاً" اللہ کی راہ میں جان لٹا دینے کی شہادت کچھ اور معنے رکھتی ہے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن جراح سالار لشکر تھے رومیوں کے خلاف صف آرا تھے ایک صحابی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی امیر لشکر کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی یا امیر میں بڑا عرصہ محسوس کرتا ہوں نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے بچھڑے ہوئے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا ہے دل کو قرار نہیں آج ایک گھڑی آ گئی ہے کہ میں کفار میں گھس جاؤں ان کے نیزے میرا سینہ چھلنی کر دیں ان کی تلواریں میرے پرخچے اڑا دیں میں کفر کی طاقت کو پامال کرتا ہوا اس دنیا سے گزر جاؤں شہید ہو جاؤں تو مجھے امید ہے میں سیدھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میری گذارش یہ ہے کہ آپ مجھے روکیں نہیں آپ امیر لشکر ہیں اور میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ حضرت ابوعبیدۃ ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ امین امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب دیا تھا سناٹے میں آ گئے' فوجی بے قاعدگی ہے کہ لشکروں میں لڑائی شروع نہیں اور ایک بندے کو اجازت دے دیں کہ جا گھس جا دوسری طرف کیسے روکا جائے کہ ایک بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتا ہے اور میں کہہ دوں کہ مت جاؤ یا رک جاؤ تھوڑی دیر بعد جانا قدرے تحمل فرما کے فرمایا میں نہیں روکتا جاؤ لیکن میرا بھی سلام نیاز عرض کرنا اور میرا یہ پیغام بھی کہہ دینا پیغام دے رہے ہیں میرا یہ پیغام بھی دے دینا کہ خندق میں کھڑے ہو کر آپ نے جو وعدے فرمائے تھے کہ قیصر و کسریٰ کی دولت تمہارے قدموں میں ہو گی اور یمن کے خزانے تمہارے قدموں میں ہوں گے اللہ نے وہ وعدے پورے کر دیے یہ عرض کر دینا میری طرف سے۔ یعنی یہ عظمت ہے ان لوگوں کی جو نفاذ اسلام کا جو احیائے اسلام کا جو دین کی حکومت قائم کرنے کا سبب بن گئے۔

تو یہ سارے مجاہدے یہ ساری محنتیں یہ سارے مراقبے یہ ساری تگ و دو اس لئے نہیں ہے کہ ہمیں اقتدار مل جائے اس لئے نہیں ہے کہ ہمیں دولت مل جائے اس لئے نہیں ہے کہ ہمیں بہت شہرت ملے اس لئے ضرور ہے کہ اے اللہ ہم ذرہ بے مقدار ہیں لیکن تو نے جو حقیر سے ذرے میں ایٹمی قوتیں چھپا دی ہیں تو نے ہمارے بدن کے ان ذروں کو بھی وہ طاقتیں عطا کر دے جو ہمیں نفاذ قرآن کا سبب بنا دے۔ جہاں تو نے بے شمار اسباب بنائے ہیں اور ہر

شعبے کا کوئی نہ کوئی سبب تو بنایا ہے بارالہا قرآن پڑھنے کی توفیق دے قرآن سمجھنے کی توفیق دے حفظ کرنے کی توفیق دے سجدوں کی توفیق عطا کر نمازیں پڑنے کی توفیق دے حج کی سعادت نصیب فرما ہر نیکی کی توفیق عطا کر لیکن اگر نفاذ اسلام کا سبب بنا لے خدایا مزا آ جائے۔ زندگی اور موت دونوں اپنے مقصد کو پا لیں ہمارا مقصد تخلیق پورا ہو جائے جس غرض سے اللہ نے مشت غبار کو انسانیت کا روپ دیا تھا وہ مقصد پورا ہو جائے کبھی ہم بھی اٹھیں میدان حشر میں تو کوئی کہہ دے یہ اللہ کی راہ میں جان دینے والوں میں سے ہے کہیں دور تیرے غازی اور تیرے شہداء اور تیرے چاہنے والوں کے قدموں میں کہیں ان کی جوتیوں میں کہیں پیچھے کہیں ان کے غبار راہ میں کسی جگہ ہمارے ذرہ بے مقدار کو بھی جا تو مل جائے لوگ اٹھیں گے جوق در جوق سارے کافر بھی یکساں نہ ہوں گے کفر کی بھی اقسام ہیں سارے گنہگار بھی یکجا نہ ہوں گے گناہ کی بھی قسمیں ہیں اپنے اپنے گروہ میں ہر کوئی ہو گا۔ سارے نیک بھی یکجا نہ ہوں گے کئی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے نمازوں میں بہت سبقت کی۔ کئی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے وعظ و نصیحت میں بہت سبقت کی۔ کئی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے تسبیحات میں اور ذکراذکار میں بہت سبقت کی ہر شعبے کے لوگ ہر جگہ ہر جا الگ الگ جمع ہوں گے لیکن کتنا ہی گل و گلزار وہ شعبہ ہو گا جہاں پھٹے ہوئے سینے اور کٹی ہوئی گردنیں ہوں گی کتنے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے بدن سے اس وقت بھی خون بہہ بہہ کر شہادت دے رہا ہو گا کہ یہ نفاذ اسلام کا سبب بنائے تھے رب نے۔ دینوی امور ہماری ضرورت ہیں ہم انسان ہیں محتاج ہیں ہماری ضرورتیں ہیں میں منع نہیں کرتا کہ دنیا کی بات نہ کرو لیکن اس اجتماع یا ان محافل کو دینوی امور سے آلودہ نہ کرو چھوڑ دو یار سارا سال ضرورت ہے ضرور خط لکھو بیماری ہے تعویز نقش منگوانا ہے ضرور منگوائیں لیکن یہ جو اجتماعات ذکر ہیں یہ جو آپ کی مجالس ہیں یہ جو کورسز ہیں یہ اس عظیم مقصد کے لئے ہیں یہ کسی فرد کسی جماعت کسی حکومت کے خلاف نہیں بلکہ یہ انسانیت کے حق میں ہیں خلاف کسی کے بھی نہیں۔ نفاذ اسلام کافر کے بھی حق میں جاتا ہے اور اس کے خلاف نہیں کہ انسانی حقوق کافر کو بھی انسانی تاریخ حقوق تاریخ انسانی میں کبھی نصیب ہوئے۔ تو اسلام کے زیر نگیں آ کر نصیب ہوئے ورنہ کافر کو بھی انسانی حقوق تاریخ انسانی میں کبھی نصیب نہیں ہوئے۔ نفاذ اسلام کسی کافر کے خلاف بھی نہیں بلکہ انسانیت ہے بنی نوع انسان کی فلاح کا کام ہے۔ نفاذ اسلام کا یہ مقصد نہیں کہ آپ مجھے حکمران بنا دیں یا کسی دوسرے کو افسر بنا دیں نہیں ہم سب ذرہ بے مقدار ہیں وہ مسبب الاسباب ہے ہر کام کے لئے اسباب پیدا کرتا ہے اور ان کے نتیجے میں وہ کام ہوتا ہے ایک نعرہ جو اس نے لگا دیا ہے اپنی عظمت کا کہ میں اس کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں اب حفاظت کے اسباب بنائے گا وہ مسبب الاسباب ہے یہ عالم اسباب ہے حفاظت دین کا جو سبب بنائے خدایا ہمیں اس میں شامل کر دے اتنی سی بات ہے چھوٹی سی بات ہے کوئی اس میں لمبی تشریح نہیں ہے کوئی اس میں ایچ پیچ نہیں ہے کوئی سمجھ میں نہ آنے والی بات نہیں ہے جس شخص نے اس مقصد کو سمجھ لیا ہماری محنت کام لگنے لگی جو سمجھ نہیں رہا اس کے لئے دعا ہے اللہ اسے شعور عطا فرمائے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی کو آنکھوں کی تکلیف ہو گئی۔ ایک آتش پرست طبیب نے ہدایت دی آنکھوں پر پانی نہ لگنے پائے۔ آپ نے فرمایا۔ وضو کرنا تو میرے لیے ضروری ہے۔ طبیب چلا گیا آپ نے وضو کیا عشاء کی نماز ادا کی اور سو گئے۔ صبح اٹھے تو آنکھیں بالکل درست تھیں۔ تکلیف ختم ہو چکی تھی۔ جب طبیب نے آنکھوں کا معائنہ کیا تو حیرت سے پوچھا کہ رات بھر میں آپکی آنکھیں کیسے ٹھیک ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا وضو کرنے سے۔ طبیب پر حقیقت ظاہر ہو گئی اور یہ کہہ کر مسلمان ہو گیا کہ درحقیقت مریض میں ہوں اور طبیب آپ ہیں۔ (حضرت جنید بغدادی)

(مطالعہ کائنات)

میں ایک درخت ہوں

خرم مراد

میں ایک سرسبزوشاداب اور تندرست درخت ہوں۔

میرے جیسے کروڑوں اربوں درخت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ دانے اور گٹھلی کے پھاڑنے والے نے زمین کا سینہ چیر کر میری کونپل نکالی تو میں ایک ننھا سا پودا تھا۔ اس نے میری پرورش کی تو مجھے لاکھوں قسموں، صورتوں اور رنگوں میں پروان چڑھایا۔ چھوٹا بھی بنایا اور بڑا بھی۔ کیلیفورنیا میں صنوبری نسل کے ریڈوڈ کی صورت میں، میں ۳۰۰ فٹ سے زیادہ لمبا ہوتا ہوں۔ میری جنس ۳ ارب سال سے موجود ہے۔ اگرچہ میں ننھا منا سا بھی مرجھا جاتا ہوں لیکن سب سے زیادہ طویل العمر زندہ مخلوق بھی میں ہی ہوں۔ ۴ ہزار سال تک کی عمر پاتا ہوں۔

میرے ہم جنس زمین سے اگنے والے پودوں کی اقسام و انواع کا کوئی شمار نہیں۔ ۱۰ لاکھ سے کم تو کسی صورت بھی نہیں۔ سب ۳۰۰ فٹ کے لحیم شحیم ہی نہیں، اتنے چھوٹے بھی ہوتے ہیں جیسے یہ جراثیم اور بیکٹریا، یہ بھی پودے ہیں۔ یہ کائی، یہ بھی پودے ہیں۔ ۲ لاکھ جراثیم ایک جگہ جمع کریں تو ۲ انچ جگہ بھی نہ بھرے گی۔

جہاں ذرا نمی ہو، ذرا جڑ پکڑنے کی جگہ، اور ذرا گرمی، وہاں موجود ہوتا ہوں۔ سمندر میں، دریا میں، مٹی پر، چٹانوں میں، ہر جگہ۔ ایک چوتھائی زمین صرف جنگلات سے بھری ہوئی ہے لیکن آج سے ۱۰ ہزار سال پہلے یہ رقبہ ... تھا۔ یہ تو اس ایک صدی میں بڑی تیزی کے ساتھ مجھے کاٹا جا رہا ہے۔

بدقسمتی سے حضرت انسان کو کچھ پتا ہی نہیں کہ میں ان کی زندگی کے لئے کتنا قیمتی اور ناگزیر ہوں۔ میں نہ ہوتا تو انسان کیا، کوئی بھی حیوان میرے بغیر زندہ نہ رہ سکتا۔ انسان ذرا اپنی خوراک کو ہی دیکھ لے! اسے کچھ اندازہ ہو گا کہ اس کے اور میرے خالق نے اسے سامان زیست بہم پہنچانے اور رزق دینے کے سارے کام پر مجھے اور میرے ہم جنس پودوں ہی کو مامور کیا ہے۔ اگر اسے اس کا ذرا بھی احساس ہو جائے کہ میں، اپنے خالق کے حکم کی تعمیل میں، کتنے حیرت انگیز طریقے سے اس کی زندگی کی بقا کا سامان کرتا ہوں، تو وہ اس کے سامنے اتنی ناشکری نہ کرے اور اتنی اکڑفوں نہ دکھائے۔ اور کچھ میری بھی قدر کرے اور میرے ساتھ وہ ظلم نہ کرے جو آج کل وہ کر رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ اس کے بس میں نہ تھا کہ وہ مجھے بناتا۔

(بھلا وہ کون ہے جس نے) تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے وہ خوش نما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا۔

انسان کے لئے میری خدمات ان گنت اور انمول ہیں۔ جن کو وہ بنا نہیں سکتا، گن نہیں سکتا، نہ ان کی تہہ تک پہنچ سکتا۔ میری خدمات کی قیمت ڈالروں اور دوپوں میں نہیں لگائی جا سکتی۔ مگر کیونکہ آج کے زمانے میں ڈالر کا راج ہے، اس لئے میں یہ بھی بتاتا چلوں گا کہ انسان نے میرے انمول کاموں کا مول کتنے کتنے ڈالر لگایا ہے۔ انسان

کہتا ہے: میں صرف ایک درخت' ہر سال قومی معیشت میں ۳ ہزار ۷ سو ڈالر' ایک لاکھ ۶۵ ہزار ۱۱۵ روپے کا اضافہ کرتا ہوں۔ اس میں ان کارخانوں کی سرمایہ کاری شامل نہیں جو میرا کام کرنے کے لئے بنانا پڑتے' نہ پھر ان کے ماحولیاتی نقصانات کی قیمت۔

پیدا کرنے والے نے مجھے ایسا بنایا ہے کہ میں صرف پانی ہوا اور روشنی پر زندہ ہوں۔ زندہ رہنے کے لئے حکم ربی کے سوا ان کے علاوہ میں اور کسی رزق کا محتاج نہیں۔ جب کہ میرے سوا کوئی ذی حیات مخلوق اپنی خوراک خود نہیں بناتی' میں اپنی خوراک خود بناتا ہوں۔ اس خوراک سے میرے سب تنے' شاخیں' پتے' پھل اور پھول بنتے ہیں۔ میری پرورش بھی ہوتی ہے' تمام حیوانات کی بھی اور انسان کی بھی۔ وہ گوشت کھائیں' دودھ پئیں' سب کچھ میری بنائی ہوئی اس خوراک سے ہی بنتا ہے۔

میرے ایک ایک پتے میں---- جنہیں انسان بڑا حقیر سمجھتا ہے اور نوچ کے' کچل کے' مسل کے پھینک دیتا ہے---- میری خوراک سازی کا وہ کارخانہ لگا ہوا ہے۔ اسی خوراک سے سارے بندوں کے لئے رزق کا سامان ہوتا ہے۔ انہی کارخانوں سے اسے سانس لینے کے لئے ہوا صاف ملتی ہے۔ **(رزقاللعباد)**۔ کیا حیرت انگیزی ہے!

میری جڑیں زمین میں ہوتی ہیں' ان جڑوں کے ذریعے میں زمین سے پانی لیتا ہوں۔ میرے تنے میں' شاخ میں' ہر پتے کی ڈنٹھل میں' ہر پتے کے جسم میں' پائپ لائنوں اور شریانوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ایک پتا ہاتھ میں لیں تو ان کی لکیریں دکھائی دیں گی۔ جیسے انسان کی کھال پر سے خون کی چھوٹی چھوٹی نالیاں نظر آتی ہیں۔ یہ نالیاں ہر پتے کے کارخانہ میں پانی پہنچا دیتی ہیں۔ ہر پتا کا کنکشن جڑ کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ہے واٹر سپلائی کا نظام!

میرے پتے کے جسم میں ننھے منے بے شمار سوارخ ہیں جیسے کھال میں مسام۔ یہ انسان کی آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ سورج نکلتا ہے' روشنی اور حرارت پہنچتی ہے تو یہ سوراخ کھل جاتے ہیں اور میں سانس لینا شروع کر دیتا ہوں۔ رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو یہ سوراخ بند ہو جاتے ہیں۔ میں ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس حاصل کرتا ہوں۔ پتے کے اندر کلوروفل ہوتا ہے جس کا رنگ سبز ہوتا ہے۔ یہ کلوروفل پانی اور گیس کی کاربن کو ضیائی تالیف (Photosynthesis) کے ذریعے سادی شکر میں تبدیل کر دیتا ہے۔ شکر سازی کے اس عمل کے لئے' (جو ارب ہا ارب کارخانوں جاری رہتا ہے) میں نہ ایندھن کا محتاج ہوں' نہ بند باندھ کر بجلی بنانے کا بلکہ ساری توانائی سورج سے حاصل کرتا ہوں۔ اسی شکر سے میں نشاستے (Starch) بناتا ہوں۔

اس شکر سازی کے عمل میں جو آکسیجن بچتی ہے' کچھ خود استعمال کرتا ہوں باقی میرا ہر پتہ ایک امانت کی طرح اپنے سوراخوں سے فضا کو واپس کر دیتا ہے۔ انسان سانس لیتا ہے تو آکسیجن خرچ کر کے کاربن ڈائی آکسائیڈ فضا میں ڈالتا ہے جس سے ماحول آلودہ ہوتا ہے۔ میرے پتے سانس لیتے ہیں تو ۲ء ۳ ٹن کاربن کو اپنے اور انسان کے لئے خوراک بنا کر فضا کو ۴ء ۶ ٹن آکسیجن واپس کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ہوا کو صاف و پاک کرتے ہیں۔

جتنی خوراک کی پتے کو ضرورت ہوتی ہے وہ رکھ لیتا ہے' باقی میرے تنے اور شاخوں کو توانا بنانے' نئی شاخیں بنانے' پھول پیدا کرنے' جن سے میری نسل کے تسلسل کا انتظام ہوتا ہے' اور پتے' پھل اور دانے بنانے میں استعمال ہوتی ہے' جو انسان' پرندے اور جانور کھاتے ہیں۔

تعجب کی کیا بات ہے اگر میرا پیدا کرنے والا میرے ایک ایک پتے کی خبر گیری کرتا ہے جس طرح وہ انسان کے جسم کے اربوں خلیوں میں سے ایک ایک خلئے کی نگہبانی کرتا ہے۔

اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحروبر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتا ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو' زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں

جس سے وہ باخبر نہ ہو' خشک و تر' سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ (۶ : ۵۹)

انسان نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر وہ اپنی ٹیکنالوجی سے ہوا کی صفائی کا پلانٹ لگائے تو میرے برابر کاربن گیس نکالنے پر ۴ ہزار اور آکسیجن فراہم کرنے پر ۲ ہزار روپے' سالانہ خرچ ہوں گے۔ پلانٹ کی قیمت الگ رہی۔

رزق بنانا' رزق پہنچانا' ماحول صاف رکھنا تاکہ انسان کو غذا اور ہوا ملے' یہ تو میرا سب سے اہم کام ہے' لیکن میری ہر چیز انسان کے کام آتی ہے۔ اب میں جلدی جلدی اپنی بڑی بڑی خدمات شمار کراتا ہوں:

یہ کاغذ جس پر آپ پڑھ رہے ہیں' میرے گودے سے بنا ہے۔ یہ میز کرسی جس پر آپ بیٹھے ہیں یا پلنگ جس پر آپ لیٹے ہیں' اس کی لکڑی میں نے مہیا کی ہے۔ میں ۳۰ کیوبک فٹ کے قریب لکڑی فراہم کرتا ہوں (قیمت ۱۵۵۰۰ روپے)۔ ماضی میں لکھنے کے لئے قلم سب میری ہی لکڑی سے بنتے تھے۔ دانت صاف کرنے کے لئے ٹوتھ برش' میں ہی دیتا ہوں۔

میں زیر زمین سے ۲۰ ہزار لیٹر پانی کا ذخیرہ کرتا ہوں' اور اس طرح اسے ضائع ہونے سے بچاتا ہوں (اس کی قیمت ۳۵۰۰ روپے ہے)۔ میں ہوا کی آلودگی جذب کر کے ماحول کو پاک و صاف رکھتا ہوں۔ ۷۰۰ کلو دھول گرد جذب کرتا ہوں' ۱۱۰۰ کلو دھول اور مکروہ چیزیں چھانتا ہوں' میرے پتے ہوا میں زہر اور تابکاری کو جذب کرتے ہیں (۱۰۰۰ روپے سالانہ)۔ اگر میں دفاع اور صفائی کی یہ ساری خدمات انجام نہ دوں تو سینکڑوں پرندے اور پھپھوندیاں زندہ نہ رہ سکیں گے (اس کی قیمت الگ لگا لیں)۔ میں دھوئیں اور دھند کو بھی صاف کرتا ہوں۔ اس صفائی کے لئے پلانٹ لگائے جائیں تو صرف جرمنی میں ان کی لاگت ۷۰۰ ارب روپے آئے گی۔ میں زمین کو کٹاؤ سے بھی بچاتا ہوں۔ میں ہر سال ۵۵ کلو نباتاتی مواد زمین تک پہنچاتا ہوں (۲۰۰۰ روپے کا)' چارا اور لکڑی اس کے علاوہ ہیں (۱۰۰۰ روپے کا)۔ یہ نباتاتی مواد تین سال میں سڑ گل کے کھاد بن جاتا ہے۔ اس کھاد میں ۴۰ کلو جراثیم' ۴۰ کلو پھپھوندی' ۱۶ کلو زمینی کیڑے' ۳ کلو دوسرے حشرات ہوتے ہیں۔ (اس کی مانند گلانے سڑانے اور کھاد بنانے کے کارخانہ پر ۱۵۰۰۰ روپے کی لاگت آئے گی)

میں دھوپ میں سایہ اور بارش میں چھتری بن جاتا ہوں۔ میں پارکوں اور تفریح گاہوں میں حسن نظارہ اور تفریح کی لذت فراہم کرتا ہوں۔ میں دوائیں فراہم کرتا ہوں' میری چھال اور پتیاں جو بے شمار کاموں میں استعمال ہوتی ہیں ان کا ذکر ممکن نہیں۔ گیس اور پیٹرول اور آگ بھی مجھ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

و ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ۔ (ابراہیم ۱۴:۳۴)

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔"

بدقسمتی سے انسان ترقی اور دولت کے لالچ میں تیزی سے درخت اور جنگلوں کا صفایا کر رہا ہے۔ وہ نادان ہے' نہیں جانتا کہ اس کے رب نے اس زندگی کو کس طرح میرے ساتھ باندھ دیا ہے۔

فبای الاء ربکما تکذبن ۔ (الرحمٰن ۵۵ : ۱۳)

"تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

النجم و الشجر یسجدان ۔ (الرحمٰن ۵۵ : ۶)

"اور تارے اور درخت سجدہ ریز ہیں۔"

کبھی تم نے سوچا' یہ بیج جو تم بوتے ہو' ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ۔ (الواقعہ ۵۶ : ۶۳ - ۶۵)

لوگو' بندگی کرو اپنے رب کی ..... وہی تو ہے جس نے اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے روزق بہم پہنچایا۔ (البقرہ ۲ : ۲۲)

(بشکریہ ترجمان القران)

آپ نے پوچھا

سوال: عقل روح اور انسانی جسم کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

جواب: روح اور جسم کا کیا تعلق ہے یہ تو عجیب سی بات لگتی ہے مجھے۔ یہ تو کوئی ایسی بڑی علمی بات نہیں ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا تو یہ ایمان اور عقیدہ ہے کہ روح امر ربی ہے اور جسم مادے کی مختلف صورتوں کا مجموعہ اور تعلق یہ ہے کہ روح کے بغیر محض مارے کی آمیزش ہے جسم ہی وہ قالب ہے جو روح کا مسکن ہے جس میں لطیف روح کا۔ اسی کی وجہ سے اس میں حیات ہے۔ اور اسی کے قابل رہنے کے لئے اس کی ضروریات ہیں۔ غذا ہو یا دوا ہو۔ صحت ہو یا بیماری ہو یہ سارا کچھ بدن کی ساری تعمیر کا حاصل ہے کہ وہ روح کے مسکن بننے کے لائق رہے۔ جب وہ اس لائق نہیں رہتا۔ ان میں مفارقت ہو جاتی ہے تو اسے موت کہتے ہیں کافر معاشرے میں موت زندگی کے خاتمے کا نام ہے بعض کافر مذاہب کسی دوسری طرز کی زندگی کے قائل ہیں لیکن دین حق میں موت اس دنیا سے اگلی اور حقیقی دنیا کی طرف سفر کا نام ہے خاتمے کا نام نہیں ہے عالم دنیا سے جہاں منتقل ہوتا ہے انسان اسے برزخ کا نام دیا گیا ہے آپ جسے جدید زبان میں ٹرانزٹ کیمپ کہہ سکتے ہیں انتظار گاہ کہہ سکتے ہیں برزخ کا معنی بھی دو چیزوں کے درمیان جو پردہ یا حجاب یا دو چیزوں کو الگ الگ کرنے کے لئے جو چیز درمیان میں ہوتی ہے وہی ہوتا ہے۔ ہر مرنے والا برزخ میں ہی قیام کرتا ہے برزخ کی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ جس طرح اس دنیا میں روح پس پردہ ہے سارا کچھ بدن سے متعلق ہے جسم سے متعلق ہے ذاتی طور پر تعلیم و تعلم حلال و حرام نیک و بد مرض اور صحت خوشی اور غم یہ سارا کچھ براہ راست بدن سے متعلق ہے لیکن اس سب کا اثر روح پر مرتب ہوتا ہے برزخ میں جانے کے بعد مکلف بذات روح کو قرار دیا جاتا ہے گرمی سردی آرام راحت فکر اندیشہ عذاب ثواب نرمی ملتی جیسے حالات بھی پیش آتے ہیں وہ روح کے ساتھ پہنچتے ہیں لیکن جس طرح یہاں بذات مکلف بدن ہے لیکن بدن پر بیتنے والی کیفیات روح کو متاثر کرتی ہیں بدن نیک اعمال کرے تو روح کو جلا ملتی ہے اگر بدن گناہ کرے تو روح پر غبار آتا ہے بدن کو خوشی ہو تو روح کو بھی خوشی ہوتی ہے اگر بدن کو دکھ ہو تو روح کو بھی تڑپ ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر روح کو وہاں ثواب پہنچے تو بدن کے ہر اس ذرے تک جو بدن سے کبھی متعلق رہا ہے اپنے حصے کا ثواب یا خوشی یا راحت پہنچتی ہے خدانخواستہ اگر عذاب پہنچے یا کفار کو جس طرح عذاب ہوتا ہے تو اس عذاب کی کیفیات بھی اس بدن کے ہر اس ذرے تک جاتی ہیں جو اس بدن کا حصہ رہا ہو چونکہ ہر ذرے کا تعلق روح سے کلی طور پر منقطع نہیں ہوتا۔ جب قیامت

قائم ہو گی تو بدن اور روح دونوں برابر برابر مکلف قرار دیئے جائیں گے کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں۔ جتنی راحت اہل جنت کا بدن محسوس کرے گا اتنی ہی لذات ان کی ارواح بھی محسوس کریں گی جتنا عذاب اہل دوزخ کا بدن محسوس کرے گا اتنی ہی تکلیف ان کی ارواح بھی محسوس کریں گی۔ روح اور بدن کا رشتہ اللہ کریم نے ایسا بنایا ہے کہ اس نے جو ذرات جس روح کے لئے مقرر کئے ہیں وہی ذرات اس بات کا حصہ بناتے ہیں اور یہ تعلق بننے کے بعد کبھی نہیں ٹوٹے گا یہ اللہ کریم کا فیصلہ ہے۔ خلود ہے ہیشگی ہے اس تعلق کے لئے۔ دنیا میں بدن کو ضرورتیں لگا دی گئیں اور روح کو اس کے تابع کر دیا گیا۔ انسان کو وہ تعلیمات دی گئیں کہ اگر ان کو اختیار کرے اور اللہ سے وہ تعلق رکھے تو وہ بدن کی خواہشات پر غالب آ کر بدن کو روح کی تعمیر کے لئے استعمال کر سکتا ہے اور یہی مقصد ہے بعثت انبیاء کا۔ نزول کتب کا۔ اگر ان ہدایات پر عمل نہ کرے تو بدن چونکہ مادی ہے اس کی خواہشات مادی ہیں اس کی ضروریات مادی ہیں اسے اپنی خواہشات کی تکمیل سے غرض ہے بدن کا ان چیزوں سے واسطہ نہیں ہے نہ اس کی اسے فکر ہے کہ حرام کیا ہے حلال کیا ہے در ایں صورت وہ روح پہ غبار آتا رہتا ہے اللہ سے دوری آتی رہتی ہے اور اس حال میں وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے اب جسے عذاب ہو گا یا ثواب ہو گا۔ مومن ہمیشہ ثواب میں رہے گا کافر ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔ درمیانی صورت حال ہے گنہگاروں کی خطا کاروں کی۔ ان کا معاملہ اللہ کے پاس ہے جسے چاہے اپنی رحمت سے معاف کر دے کسی کو سزا دینا چاہے تو یہ اس کی مرضی ہے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا **وان تعذ بھم فانھم عبادک**۔ اگر تو عذاب دینا چاہے تو بندے تیرے اپنے ہیں کوئی تجھے روک نہیں سکتا۔ **وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم**۔ اور معاف کر دے تو تیری مغفرت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔ یہ تو اجمالی طور پر تعلق ہو گیا روح اور بدن کا۔ اب رہ گئی بات عقل کی۔ عقلی وہ کمپیوٹر ہے جو مادے کو بدن کے لئے یا بدن میں یہ شعور پیدا کرنے کے لئے کہ اس کی ضرورت کیا ہے اس ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ کیا ہے کس چیز سے وہ ضرورت پوری ہو گی۔ عقل کا صرف یہ فنکشن ہے اور جن لوگوں نے دلائل عقلی پر بنیاد رکھی وہ بات کو نہ سمجھ سکے۔ عقل میں یہ استعداد ہے کہ اس تک حقائق پہنچیں تو یہ تائید کرنے کی اہلیت رکھتا ہے ہے لیکن خود ہدایت کو کھوجنا اس کا فنکشن ہی نہیں ہے اگر ہدایت از خود عقل اپنے دلائل سے کھوج سکتا تو پھر یہ فلاسفر جو تھے اور یہ جو مختلف علوم کے ماہرین تھے یہ لوگوں کی ہدایت کا سبب بنتے۔ انبیاء کرام مبعوث نہ ہوتے لیکن بڑے بڑے فلاسفر خود راہ گم کردہ رہے حالانکہ عقلی اعتبار سے انہوں نے بڑی ریسرچ کی بڑی تحقیقات کیں بڑے دور دراز تک ان کا نام پہنچا نئے نئے فلسفے اور نئے نئے فلسفہ حیات کی بنیاد رکھی مگر حقیقت کو نہ پا سکے وہ جو مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا نہ جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں یعنی جو بات انبیا نے بتائی وحی الٰہی نے بتائی تعلق باللہ سے جو بات معلوم ہوئی اسے عقل نہیں کھوج سکتی۔ ہاں وہ بات وہاں سے آ گئی تو اس کی تائید کے لئے دلائل جمع کرنا یہ استعداد عقل میں ہے کہ وہ پرکھ سکے دلائل جمع کر سکے پھر اگر اس میں وہ فطری استعداد موجود ہے تب دلائل تک اس کی نگاہ جائے گی اگر انسان کی خطا کاریوں نے جس طرح آپ دیکھیں ایک ہیروئن پینے والا اپنے حواس کو مختل کر دیتا ہے جس طرح ایک شراب پینے والا کچھ دیر کے لئے اپنے حواس کو مختل کر دیتا ہے اسی طرح گناہ کرنے والا نیکی کی اہمیت یا دین کی عظمت یا معرفت الٰہی کے بارے میں اپنے حواس کو مختل کر بیٹھتا ہے۔ جس طرح ہیروئن پینے سے دنیاوی ضرورت سے عقل بیکار ہو جاتی ہے یا شراب پینے سے دنیوی ضرورتوں کا اسے شعور نہیں رہتا اسی طرح گناہ کرنے سے عقل کو معرفت کا معرفت باری کا آخرت کے متعلق اس کا جو شعور ہے وہ مجروح ہو جاتا ہے۔

اس میں یہ استعداد نہیں رہتی کہ اس کی فکر کرے اور بنیادی طور پر اس کا کام اسے کھوجنا نہیں ہے بلکہ اسے اطلاع ملتی ہے کیفیات قلبی کے سبب۔ وحی نبی کے قلب پر آتی ہے۔ اگر عقل کا یہ فنکشن ہوتا تو وحی بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل مبارک پر نازل ہوتی عقلی اعتبار سے بھی حضور کی ذات ستودہ صفات بے مثل اور بے مثال ہے ساری مخلوق میں اللہ کے بعد ہر وصف میں حضور کی انفرادیت ہے کوئی دوسرا اس وصف میں آپ کا شریک نہیں ہے تو عقلی اعتبار سے جو عقل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے کسی دوسرے انسان کی نہیں ہو سکتی لیکن آپ کی عقل پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ **نزل به الروح الامین علی قلبک۔** آپ کے قلب اطہر پر ہوئی جو مقام روح کا ہے تو اس سے حاصل یہ ہوا کہ ان چیزوں کو براہ راست وصول کرنا یہ استعداد روح میں ہے نبی سے جو ایمان پاتا ہے اس کا قلب متوجہ ہوتا ہے۔ قلب قبول کرتا ہے عقل ان دلائل پر پھر ہاں یا نہیں کرنے کی استعداد رکھتا ہے عقل کے ذمے جو بنیادی فرائض ہیں وہ یہ ہیں کہ اس مادی جسم کی ضرورتوں کا احساس کرے ان کی تکمیل کے اسباب تلاش کرے آپ نے دیکھا ہے جو آدمی پاگل ہو جاتا ہے اس میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔ صرف یہ فرق ہے اسے اپنی ضرورتوں کا احساس ہی نہیں رہتا کہ میں نے کپڑا پہنا ہوا ہے یا نہیں اسے یہ احساس ہی نہیں رہتا ہے کہ میں کپڑا پہننا ہے کھانا پکا ہے یا کچا پاک ہے یا ناپاک کھانا ہے یا نہیں یہ بات کہنا ہے یا نہیں۔ آدب محفل کیا ہیں یہ ضروریات ہیں بدن کی جن کا اسے احساس نہیں رہتا وہ پاگل کہلاتا ہے تو یہ اجمالی سا تذکرہ ہو گیا عقل روح کا انسانی جسم کا۔[1]

سوال: مرنے کے بعد نیک اور بد روحیں کہاں جاتی ہیں؟

جواب: نیک روحیں انتظار گاہ میں ہوتی ہیں اور بد روحیں بھی انتظار گاہ میں ہوتی ہیں لیکن ہر آدمی کی روح کی انتظار گاہ اس کے سٹیٹس کے مطابق ہوتی ہے جیسے دنیا میں اس نے عمل کئے یا جیسا حال اللہ کریم نے اسے عطا کیا اسی طرح کی انتظار گاہ بنا دی جاتی ہے اللہ ایسا کریم ہے اور ایسا قادر ہے کہ آپ ایک قبر میں سو مردے دفنا دیں مردے کا الگ الگ حال ہو گا تو اگر کوئی جنت والا ہے تو اس کے لئے قبر جنت ہو گی اگر کوئی جہنم کا مالک ہے کوئی کافر ہے تو اس کے لئے وہی قبر جہنم کا گڑھا بن جائے گی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے حال سے الگ الگ ہوں گے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے ہمارے اس بدن میں آج کی سائنس کے مطابق کھربوں جرثومے ہیں یعنی اتنی آبادی انسانوں کی دنیا میں نہیں ہے جتنے جراثیم ایک زندہ انسان کے اندر ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ وہ پلتے بڑھتے بھی ہیں بیمار بھی ہوتے ہیں مرتے بھی ہیں مختلف قسم کے ہیں جو ایک دوسرے کو مار دیتے ہیں ایک جہان ہے اس میں جنگیں بھی ہیں فاتح اور مفتوح بھی ہیں ایک بیماری کے جراثیم اندر چلے جاتے ہیں پھر وہ پھیل جاتے ہیں پھر وہ صحت والوں کو مارتے ہیں پھر وہ بیماری غالب آتی ہے۔ آپ پھر دوائی لیتے ہیں اس سے صحت والوں کو تقویت ملتی ہے پھر وہ تکڑے ہو جاتے ہیں اور بیماری والے مر جاتے ہیں یہ سارا کچھ اندر ہوتا ہے کیا آپ کو پتہ چلتا ہے کہ اندر کون مرا کون جیا کون غالب کون مغلوب۔ کون کیا سمجھتا ہے کوئی سمجھ آتی ہے تو آپ اپنے بدن کے اندر کھربوں آبادیاں لئے پھرتے ہیں جن کی آپ کو سمجھ نہیں آتی تو ایک قبر میں وہ دس آدمیوں کے دس الگ حال کر دے تو کیا عجیب بات ہے یہی ارشاد ہے قرآن حکیم کا۔ **و فی انفسکم افلا تبصرون۔** اندھے ہو تمہیں نظر نہیں آتا۔ یہ سب کچھ تو تمہارے اندر موجود ہے آپ دیکھیں نا دنیا پہ ہم پڑھتے ہیں فلاں جگہ جنگ ہوئی جرمن ہار گئے وہ اتحادی جیت گئے ہیروشیما پر بم گرا آپ جو گولی لیتے ہیں جراثیم کو مارنے کے لئے یہ ہیروشیما کا بم ہی گرتا ہے ان پر تو کروڑوں جراثیم اگر ایک گولی سے مر جاتے ہیں یا ان کروڑوں میں ایک جرثومہ چلا گیا سانس کی نالی سے یا غذا میں چلا گیا اس نے جا کر وہاں اتنی آبادی بڑھا لی کہ جو صحت

کے تھے ان کو مار کر تباہ کر دیا یا ان پر قبضہ کرنے لگ گیا۔ تو یہ کچھ انسان کے اندر ہو رہا ہے ہم سائنس کی زبان سے سن کر مانتے ہیں ہمارا کوئی تجربہ نہیں۔ ہم نے کوئی نہیں دیکھا انہیں لڑتے بھڑتے۔ نہ کوئی لڑائی کا شور سنا نہ کسی کے مرنا کا واویلا نہ کسی کے فتح کے نقارے ہمیں تو کچھ پتہ نہیں تو یہ سارا کچھ ہمیں ماننا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ سائنس کی تحقیقات اتنی مضبوط اس کے پاس دلائل اتنے مضبوط آج تو ساری یہ چیزیں تصویر کے اندر آ جاتی ہیں۔ ان کو کمپیوٹر پر دیکھا جا سکتا ہے۔ کیسے نہ مانا جائے تو ایک چھوٹے سے کمپیوٹر میں ہزار فائل ہم ریزرو کر دیتے ہیں اس فائل کا لفظ کوئی اس سے نہیں ملتا۔ اس کا کوئی فقرہ اس میں مکس نہیں ہوتا۔ ایک فائل میں آپ نے دنیا جہان کی خرافات رکھ دی ہیں دوسری فائل میں آپ قرآن و حدیث پڑھ کر رکھ دیں تو اس میں وہ ایسا رہے گا اور اس میں وہ ایسا رہے گا۔ اتنی چھوٹی سی کمپیوٹر کی ڈسک ہے جو کچھ اس میں آپ بھر دیں گے اس کی ڈسک میں پڑی ہے الگ الگ ہر چیز۔ جب آپ بٹن دباتے ہیں ٹھک سے سامنے آ جاتی ہے تو وہ قادر ہے ایک قبر میں پچاس دفن کر دو پچاس کا حال الگ ہو گا اپنا اپنا۔ اپنی اپنی کیفیت۔

سوال : مرنے کے بعد بھی کیا روحیں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں؟

جواب : ہوتی تو ہیں لیکن اثر انداز ہونے کا سلیقہ الگ ہے ایک آدمی نے مرنے سے پہلے ایک شفاخانہ بنا دیا۔ اب کتنی انسانی زندگیاں اس سے شفایاب ہو رہی ہیں انراز تو مرنے کے بعد بھی وہ ہو رہا ہے ایک آدمی نے انسٹی ٹیوشن بنا دیا حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بنیاد رکھ دی۔ اثر انداز تو وہ ہو رہے ہیں جو جو بندہ یہاں سے سیراب ہو رہا ہے جب تک لوگ سیکھتے چلے جائیں گے اثر انداز تو وہ ہو رہے ہیں ایک تو ہوتا ہے اثر انداز ہونے کا یہ انداز۔ ایک والد نے اولاد کی اچھی تربیت کی۔ انہوں نے اور اچھے بندے پیدا کئے۔ آگے انہوں نے اچھے بندے پیدا کئے اثر انداز تو وہ ہو رہے ہیں

ایک بندے نے اپنے بچے کو ڈاکو بنایا اس نے بے شمار دنیا تباہ کی اس نے آگے اپنے دس شاگرد ڈاکو بنا دیئے۔ اس نے آگے بیس بنا دیئے اس کا اثر بھی جا رہا ہے ایک تو اثر یہ ہوتا ہے۔ جس کے بارے حدیث شریف میں بھی ارشاد ہے۔ قرآن کریم میں بھی موجود ہے کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص نے نیکی کی بنیاد رکھی جب تک وہ چلتی جائے گی اس کو ثواب ملتا جائے گا بغیر اس کے جو کر رہے ہیں ان کا ثواب کم کیا جائے جس نے بدی کی بنیاد رکھی تو وہ جب تک چلتی رہے گی اس کا اجر بھی اسے پہنچتا رہے گا بغیر اس کے کہ دوسروں کی سزا میں کمی آئے ایک تو ہے اثر انداز ہونے کا تعلیم و تربیت کا روحانی برکات کے حصول کا طریقے الگ الگ ہیں سلیقے الگ الگ ہیں انداز الگ الگ ہیں۔ لیکن ان برکات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ غیر نبی اور نبی کی موت میں بڑا فاصلہ ہے عام آدمی کافر اور مومن کی موت میں بڑا فرق ہے کافر کے لئے قرآن حکیم فرماتا ہے کہ جب فرشتے روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں۔ **یضربون علی وجوھھم واد بارھم۔** ابھی روح بدن میں ہے اس کو نکالنے کے لئے ان کے منہ پر مارتے ہیں ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں مار پٹائی کر کے نکالتے ہیں نیک لوگوں کے لئے جب آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ بھئی کوئی ڈرنے کی بات نہیں۔ **لا تحزنوا نحن اولیاء کم فی الد ینا و فی الاخرۃ۔** ہماری تمہاری تو دوستی ہے ہم زندگی میں بھی تمہارے رہے تمہارے لئے دعائیں کرتے رہے اور آخرت کے لئے بھی دعائیں کرتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں جنت کی اور ان سے باتیں کرتے ہیں اور بڑے پیار سے روح قبض کرتے ہیں مومن اور کافر کا اتنا فرق ہے اسی طرح جن لوگوں کو اللہ قرب الٰہی کے منازل عطا کر دیتا ہے ان کی اور قدر و قیمت بن جاتی ہے اب صحابہ کا جانا کچھ اور بات ہے بے شمار صحابہ کرام نے اپنی وصیت اپنے مرنے کے حالات یہ کر لو وہ کر لو ہم جا رہے ہیں بڑے آرام سے جس طرح کوئی سفر پر نکلتا ہے اس طرح گئے تو

انبیاء علیہ السلام کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ نبی کی روح کو غیر نبی کی طرح قبض یا الگ نہیں کیا جاتا بلکہ نبی کی روح کا جو تعلق امور دنیا سے ہوتا ہے اور وہ تعلق امور برزخ سے جوڑ دیا جاتا ہے ورنہ نبی کا بدن ویسے ہی زندہ رہتا ہے جیسے حیات دنیاوی میں تھا۔ انبیاء کی ارواح قبض کر کے بدن سے الگ نہیں کی جاتیں رہا یہ کہ ارواح کا علیین میں ہونا یا ارواح کا بدن میں ہونا یہ روح کے لئے کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ جس طرح سورج کی کرن سورج میں بھی ہے اور زمین پر بھی ہے۔ نبی کی روح اس سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے تو انبیاء علیہ السلام کا سفر آخرت یہ ہے کہ ان کا بدن جس طرح زندگی میں انسان کا بدن خراب نہیں ہوتا اسی طرح ان کے بدن کو نہ مٹی خراب کرتی ہے نہ زمانہ گزرنے سے خراب ہوتے ہیں نہ ان میں تبدیلی کوئی آتی ہے اور روح کا مسکن برزخ میں بھی نبی کا بدن ہی ہوتا ہے۔ جہاں تک فیض کا تعلق ہے۔ روح سے فیض کا تعلق ہے تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرمانے کے بعد بھی ویسے ہی نبی ہیں جیسے حیات دنیوی میں تھے آج بھی نبوت انہیں کی ہے قیام قیامت تک نبوت انہیں کی رہے گی۔ اتنا بڑا فیض کہ کوئی کافر قبول کر لے تو ویسے ہی مسلمان ہو جائے جیسے حیات نبوی میں ہوتا تھا اور فیض کس چیز کا نام ہے فیض تو یہی ہے نا۔ تو نبوت آج بھی آپ کی ہے ہم آج بھی کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کان محمد "عبدہ و رسولہ" ہم نہیں پڑھتے کہ کبھی آپ اللہ کے نبی تھے نہیں۔ آج بھی ہم کہتے ہیں "اشھد ان محمد رسول اللہ" گواہ ہوں کہ آج بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ تو گویا موت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے نفاذ میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہ اللہ کی مرضی اگلے انبیاء کی شریعتیں اگر ختم ہو گئیں تو موت ان کا سبب نہیں تھی ان کا سبب یہ تھا کہ اللہ کریم نئی شریعت نافذ کرنا پسند فرماتے تھے۔ عقول انسانی ترقی کرتی گئیں ضروریات زمانہ بڑھتی گئیں اور ان احکام کا جس زمانے تک ساتھ دینا منظور تھا رب کو۔ تب تک وہ شریعتیں رہیں جب وہ احکام بدلنے کی ضرورت پیش آئی نئی شریعت آگئی ضروریات بدل گئیں لوگوں کی۔ لوگوں کا شعور بدل گیا فکریں بدل گئیں جس طرح بچہ جوان ہوتا ہے زمین پر نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تک انسانیت بھی بلوغت کا سفر طے کرتی گئی جب بالغ عاقل ہو گئی تو نبی علیہ السلام مبعوث ہو گئے اور اب ہمیشہ کے لئے کسی نئے نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ تو یہ جو اثرات ہیں حصول برکات حصول فیوضات ان کے اپنے طریقے ان کے اپنے انداز ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ہر آدمی کر سکتا ہے ہر کام ہر آدمی نہیں کر سکتا اب گاڑی چلانے کے لئے ڈرائیونگ جاننا ضروری جسے ڈرائیونگ نہیں آتی وہ یہ کہے کہ جی گاڑی چل ہی نہیں سکتی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہاں یہ کہنا پڑتا ہے کہ گاڑی میں چلنے کی طاقت ہے چلانے کی ترکیب آنی چاہئے۔ روحانی فیض اور برکات اپنی جگہ ہیں اور تمام فقہاء نے اور تمام علمائے حق نے ان کی تصریحات کی ہیں۔ دلائل کے لئے آپ دلائل السلوک میں حوالہ جات دیکھئے اب رہی کہ وہ کس طرح حاصل کئے جائیں تو وہ ایک الگ فن ہے ہر خاص و عام ہر کہ ومہ کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک فن ہے جو حاصل کرے وہ کر سکتا ہے۔

سوال : روحانی بیعت کے لئے کیسے تیاری کی جا سکتی ہے؟

جواب : روحانی بیعت کے لئے جو تیاری کرائی جاتی ہے وہ اس طرح ہے کہ مجازین احدیت معیت اقربیت سیر کعبہ روضہ اطہر اور مسجد نبوی تک کراتے ہیں مسجد نبوی کے مراقبے میں کوئی قید نہیں مگر مضبوطی کے لئے ایک سال تک رکھا جاتا ہے ابہام یہ ہے کہ کل آپ نے فرمایا ہے کہ مجازین مراقبات ثلاثہ تک ہی کرا سکتے ہیں۔ بھئی بات یہ ہے کل میں جو جواب دے رہا تھا وہ خواتین کا سوال تھا اور خواتین کے لئے مراقبات ثلاثہ سے آگے کرانے کی خاص خاص لوگوں کو ہی اجازت دی جاتی ہے سب کو نہیں۔ مراقبات ثلاثہ کسی کو ایک ذکر میرے ساتھ نصیب ہو جائے اسے

مراقبات ثلاثہ میں توجہ مل جاتی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ کب تک ان کو قائم کرتا ہے وہ مرد ہے یا خاتون وہ اس طرف بیٹھا ہے یا اس طرف بیٹھا ہے جسے ایک ذکر نصیب ہو جائے اسے مراقبات ثلاثہ تک کوئی توجہ نہ بھی دے تو وہ چلا جاتا ہے لیکن خواتین کو اس سے آگے لے جانا بعض صاحب مجاز حضرات تھے جنھوں نے اپنی بیویوں کو یا بیٹیوں کو کرا دیا یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن ہر کسی خاتون کو ہر صاحب مجاز مراقبات کراتا پھرے اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں کل جو سوال تھا وہ بیبیوں کی طرف سے تھا اور صاحب مجاز حضرات اگر کوئی اپنے اہل خانہ کو کراتا ہے یا اپنے قریبی رشتہ داروں کو کراتا ہے تو وہ الگ بات ہے لیکن اگر صاحب صاحب مجاز نہ انہیں جانتا ہے نہ بوجھتا ہے نہ جن کا کوئی تعلق ہے مراقبات کرانے کے لئے تو ایک لمبا عرصہ ذکر کا ایک لمبا عرصہ مراقبات کا لمبا عرصہ ملنے کا روز چاہیئے تو اس کی ہر ایک کو اجازت نہیں آپ باتوں کو الگ الگ رکھا کریں ایک دوسرے کے ساتھ انہیں مکس اپ نہ کیا کریں سوال خواتین کی طرف سے تھا اور اس میں سارے حجاب انہیں کے لئے تھے اس میں دو تین باتیں تھیں یہ ایک بات نہیں تھی۔

یہ بھی وہی سوال ہے اسی طرح کا ہے خواتین کا معاملہ جو ہوتا ہے اس میں جو شرعی حدود و قیود ہیں وہ انتہائی ضروری ہیں پردے کا خیال۔ بے تکلفی سے بات نہ کی جائے۔ سوائے ذکر کے اور کوئی تعلق نہ رکھا جائے ہمارے ہاں یہ نقص ہے کہ یا تو آدمی کا رشتہ انسانی فطرت ہے یا تو اس کی بول چال ہوتی نہیں یا ہوتی ہے تو بالکل فری ہو جاتا ہے دو دن تین دن ذکر کے لئے گئے پھر آگے گاڑی چل پڑتی ہے جی منگنی کرا دو جی شادی کرا دو۔ پھر وہ شادیاں ہوتی ہیں پھر وہ شادیاں ناکام ہوتی ہیں پھر مقدمات یہاں تک آتے ہیں تو میں ان چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ ذاکرین کا تعلق اصلاح احوال تک ہے اور سب سے اچھی بات ہے کہ ہر ساتھی اپنے گھر کی بچیوں کو بیبیوں کو ذکر کرائے تعلیمات دے جو یہاں سیکھتی ہیں یہاں ان کی کلاسیں بھی بچیاں ہی لیتی ہیں خواتین ہی لیتی ہیں الگ سے پردے میں رہتی ہیں اپنے ذکر اذکار کرتی ہیں سیکھتی ہیں چلی جاتی ہیں بات ختم۔ اگر ہمارے ساتھ انہیں ذکر نصیب ہوتا ہے تو وہ اجتماعی طور پر ہم بھی کرتے ہیں سپیکر پر۔ سپیکر پر وہ بھی کر لیتی ہیں اب آپ بھی بات سن رہے ہیں وہ بھی سن رہی ہیں یہ بات تو ہو گئی درست۔ اب ایک ساتھی روزانہ کسی ایک گھر میں جائے روزانہ ذکر کرائے مراقبات کرائے سالک المجذوبی کرانی ہے اس کے لئے تو سال چاہیئے آنے جانے میں۔ یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے اور نہ کوئی جواز بنتا ہے اس کا اور نہ اس کے کوئی اثرات اچھے مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ مراقبات ثلاثہ کرتی رہیں اور ان کو گھر والے ذکر اذکار کراتے رہیں یا پھر کسی کو نصیب ہوتے ہیں تو اجتماع میں یہاں قیام کی اجازت ہوتی ہے چالیس چالیس روز اجتماع ہوتا ہے جس کے پاس وقت ہو وقت لے کے آ جائے نصیب ہوں گے تو ہو جائیں گے یہاں سارا دن ذکر ہوتا ہے صبح شام ذکر ہوتا ہے تو وہ بات جو چل رہی تھی اور وہ بھی سالک المجذوبی سے نیچے نیچے یا سالک المجذوبی کی اجازت خصوصی طور پر پھر کسی کو دی جاتی ہے کسی ساتھی کے لئے کہ اسے کرا دی جائے تو وہ الگ بات ہے عمومی اجازت نہیں ہے تو آپ کے یہ سارے سوال اسی کے متعلق ہیں آپ سے ایک بھول ہوئی کہ آپ نے نہیں سمجھا کہ یہ سوال لیڈیز کے تھے اور میں جواب انہیں کو دے رہا تھا۔ آپ ضمنی طور پر سن رہے تھے تو آپ انہیں اپنے اوپر لاگو نہ کریں میں نے کل بھی عرض کیا کہ عورت کو عورت کے احکام اپنانے چاہئیں اور مرد کو مرد کے احکام اپنانے چاہئیں آپ اس میں غلط ملط نہ کریں۔

دین اصلاح احوال کے لئے ہے دنیوی امور ہر شخص کے حالات الگ ہیں ہر خاندان کی روایات الگ ہیں ہر بندے کی سوچ کا ایک الگ زاویہ ہے ہر بندے کے رہنے کا ایک الگ کیلبر ہے تو دین میں ان کی الگ ایک عظمت ہے

ان کی الگ ایک شان ہے انہیں اس سطح پر رہنے دیں اپنے دنیاوی معاملات کے لئے دعا کرو مشورہ کر لو لیکن ایک دوسرے کو اس کے اندر نہ گھسیٹو کہ کل کوئی نقصان ہو جائے تو لٹھ اٹھائی ہوئی ہو جی اس نے مجھے کہا تھا۔ بھئی اس کے کہنے پر تم نے کیوں کیا۔ اب روز ایک تماشا بنا ہوا ہوتا ہے مجھے تو اس میں نہ گھسیٹو پہلے خط لکھتے ہیں۔ جی رشتہ کوئی نہیں مل رہا رشتہ کرا دو ہاں جی فلاں جگہ۔ وہ رشتہ ہو گیا۔ پھر جی لڑکی لڑتی بھڑتی ہے لڑکی لڑے بھڑے گی نہیں تو غزلیں گائے گی تم نے کیا قوالی کرانے کے لئے لائی تھی جہاں کوئی رہتاہے وہاں لڑتا بھی ہے بھڑتا بھی ہے رہتا بھی ہے اپنا گزارہ کرو ساری دنیا لڑتی بھڑتی ہے ایک انسانی فطرت ہے ایک انسانی ماحول ہے تو ہر گھر میں اس کے ماحول کے مطابق کچھ نہ کچھ تو ہوتا رہتا ہے اپنی لڑکیاں تمہاری خواہ سارا دن روز سارے برتن توڑ دیں تو کہتے ہیں خیر ہے بچی ہے دوسری سے اتفاقاً" گر کے ٹوٹ جائے تو کہتے ہیں بدبخت گھر آ گئی ہے۔ اس نے دس پلیٹیں توڑ دی ہیں ایک سال میں۔ تو وہ معیار بدل جاتے ہیں تو ان دنیوی امور میں اگر ہم ان دینی رشتوں کو نہ لائیں تو کیا وہ زیاد بہتر نہیں ہے تو جب یہ تعلقات ذکر کے حوالے سے خواتین تک جاتے ہیں تو پھر یہ آگے ادھر تک چلے جاتے ہیں جی یہ میرے بیٹے کا رشتہ کرا دو۔ میری بیٹی کا کرا دو۔ میری یہ کرا دو۔ میرے اپنے پاس کل ایک خط تھا جس میں چار فل سکیپ کے صفحے تھے جس میں یہ بات تھی کہ یہ ہمارے بھائی یہ جہاد پر جانے کو گھر کا کام نہیں کرتے۔ باپ کی جائیداد بیچ دی ہے یہ کر دیا ہے وہ کر دیا ہے آپ انہیں سمجھائیں۔ میں کیا سمجھاؤں میرا کام ہے جو یہاں آتا ہے اسے ذکر کا طریقہ سکھاؤں۔ خدا کا خوف بتاؤں۔ اسے بتاؤں حلال کیا ہے حرام کیا ہے۔ اب گھر میں وہ کیا کیا کرتا ہے میں آدمی کا مانیٹر تو نہیں ہوں نہ ہر آدمی کے ساتھ ڈنڈا لے کر پھر سکتا ہوں۔ اسے جو توفیق اللہ دے گا نیکی کرے گا اگر نیکی نہیں کرتا تو اس کی مرضی۔ تو ہم سے تو وہ مار نہیں کھاتا۔ اب ان معاملوں میں آپ ہمیں گھسیٹیں جی اس نے اپنے باپ کی دوکان بیچی یا چلائی یا اس نے باپ کی جائیداد رکھی یا فروخت کی تو وہ ہمارا پرابلم نہیں ہے۔ ہمارا پرابلم ہے ہم اس بندے کو دینی مدد کا پابند کرانے کی کوشش کریں اگر پھر وہ نہیں ہوتا تو ہم اس کے پیچھے لٹھ لے کر پھرنا تو ہمارے اختیار میں نہیں۔ ایک مریض کو اگر آپ دوائی دیتے ہیں تو اس کا بخار ۱۰۶ سے ۱۰۳ پر آ جاتا ہے اترتا نہیں تو اسکے مرض کا قصور ہے دوائی کیا کرے۔ کھانے دیں اسے کبھی اتر بھی جائے گا۔ ایک آدمی دن میں پچاس برائیاں کرتا ہے وہ پچاس سے چالیس پر آ گیا تو یہ بھی تو ایک اثر ہے اسے بھی تو مانیں اب آپ کہیں جی وہ شام کو یہاں آیا صبح یہاں سے بایزید بسطامی بن کر جائے تو یہ فطرت کے خلاف ہے۔ یا ہم اس کے ہر خانگی معاملے میں ٹانگ اڑائیں کہ جی بیٹا تم نے باپ سے کیا کہا بیٹا تم نے رات ماں سے کیا بات کی تو نے بیوی کو کیا کہا۔ یہ تو ہمارا مسئلہ نہیں ہے ان چیزوں کا شعور اسے ذکر و فکر سے یا اللہ اللہ سے یا اللہ کی عظمت کا احساس آنے سے آتا جائے گا۔ ہر چیز اپنا وقت لے گی ہر احساس اپنا وقت لے گا ایک ایک آدمی ایک اشارے سے سدھر جاتا ہے ایک آدمی کو دس سال لگتے ہیں سدھرنے کے لئے اپنا اپنا ضمیر اپنا اپنا مزاج اپنا اپنا نصیب بھی ہے۔ تو اس لئے یہ اجازت نہیں دی جاتی کہ ہر صاحب مجاز یا ہر ساتھی خواتین کے ہر مجمعے میں ہر طرح سے گھلا ملا رہے۔ اس کی اجازت نہیں دی جاتی خواہ وہ مراقبات ہی کرانے ہوں تو مراقبات ثلاثہ از خود بھی ہو جاتے ہیں گھر کے ساتھی کو اپنی ماں بہن بیٹی یا بیوی یا گھر کی خواتین کو ذکر کرانے کی اجازت ہے زیادہ کسی کو شوق ہے مراقبات کرنے کا تو اجتماعات ہوتے ہیں دوران سال۔ وقت نکالئے جب وقت ہو فرصت لے کر آ جائے۔ یہاں زنان خانہ الگ ہے لیڈیز کا سسٹم سارا سال الگ رہتا ہے پردے میں رہتا ہے آئیں۔ رہیں۔ اللہ اللہ کریں۔ تو یہ بات تھی۔

سوال : اگر کوئی شخص آپ کے ساتھ ایک ذکر کرے تو مراقبات ثلاثہ حاصل کر لیتا ہے کیا یہ بات ان لوگوں پر بھی

صادق آتی ہے جو آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں بلکہ روحانی اصلاح کے لئے حاضر ہوتے ہیں؟

جواب : میرے خیال میں میری عمر گزر گئی یہ بتاتے بتاتے اور آپ کی عمر گزر گئی یہ سنتے سنتے جب کوئی نیا بندہ آتا ہے تو وہی سوال پھر دہرا دیتا ہے۔ آپ پڑھتے کیوں نہیں؟ منع ہے پڑھنا کیا؟ ہزار بار بتایا ہے کہ ہر شعبے کی بیعت الگ ہوتی ہے امارت کی بیعت الگ ہے جو آپ ووٹ دیتے ہیں یہ بیعت ہے آپ کسی کو امیر بناتے ہیں مسلمانوں کا۔ اب جو ووٹ دیتا ہے وہ کسی شیخ سے بیعت نہیں کر سکتا۔ اگر کر سکتا ہے تو جو اصلاح کے لئے بیعت کسی شخص سے کرتا ہے وہ اور چیز ہے تصوف سیکھنے کے لئے جو کرتا ہے وہ اور چیز ہے اور بیعت جو ہے سلوک کی یا تصوف کی وہ بیعت لینے والا بندہ کم از کم یہ استعداد رکھتا ہو کہ وہ اس بندے کی روحانی بیعت کرا سکتا ہو کرائے یا نہ کرائے اسے نصیب ہو یا نہ ہو لیکن تصوف کے لئے بیعت لینے کی استعداد نہیں ہے وہ تصوف کے لئے بیعت لینے کی استعداد اس بندے میں مان جاتی ہے شیخ اسے مانا جاتا ہے جو دوسروں کو فنافی الرسول میں روحانی بیعت کرانے کی استعداد رکھتا ہو جس میں یہ استعداد نہیں ہے وہ تصوف کے لئے بیعت لینے کا مجاز قرار نہیں پاتا اور نہ ہی مشائخ اسے اجازت دیتے ہیں اپنی طرف سے کوئی کہتا ہے تو کہتا رہے اور علماء سے یا نیک لوگوں سے جو ہم بیعت کرتے ہیں وہ اصلاح احوال کے لئے ہے وہ الگ شعبہ ہے کہ ان سے پوچھ کر نیکی پر عمل کریں گے ہم سے وہ بہتر جانتے ہیں ان سے دین سیکھیں گے ان سے عمل کرنے کی باتیں پوچھیں گے وہ بیعت الگ ہے اور یہ بھی بیعت ہے یاد رکھئے جو ہم ووٹ دیتے ہیں۔ یہ وہی بیعت ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے لئے لوگوں نے کی تھی یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے لئے لوگوں نے کی تھی یا بعد میں آج تک لوگ امارت کی بیعت کرتے ہیں اسی کی موجودہ شکل ہے کہ آپ ایک چیٹ پہ نشان لگا کے دے دیتے ہیں کہ جی میں متفق ہوں کہ اسے امیر بنایا جائے۔ اگرچہ اس کا سسٹم کتنا ہی مختلف ہو کہ آپ ایک گاؤں کا ممبر بناتے ہیں وہ علاقے کا بناتا ہے پھر وہ تحصیل ضلع کا بناتا ہے یا پھر وہ پورے ملک کا بناتا ہے تو وہ پراسز تو وہی ہے نہ۔ اگر ہم MPA یا MNA کو ووٹ دیتے ہیں تو وہی ووٹ دے کر وزیراعظم یا پریذیڈنٹ بناتا ہے یا وہی ووٹ دے کے دوسرے شعبے بناتا ہے تو بات ایک ہی ہے تو یہ بھی بیعت ہے اسے بیعت امارت کہتے ہیں ایک بیعت ہوتی ہے جہاد کے لئے کسی خاص موقع کے لئے۔ ایک بیعت ہوتی ہے لوگ موت کے لئے بیعت کرتے ہیں کہ میں جی مر جاؤں گا پیچھے نہیں ہٹوں گا وہ جہاد بیعت کرنے کے بعد پھر سے الگ موت پر بیعت ہوتی ہے جیسے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے حدیبیہ میں سب سے موت پر بیعت لی تھی کہ اگر سارے شہید ہو گئے ایک بندہ بھی باقی بچا تو وہ جان بچا کر نہیں جائے گا وہ لڑ کر شہید ہو گا جان دے کے جائے گا۔ تو ہر شعبے کی بیعت الگ ہوتی ہے اور پھر حصول تصوف کے لئے ظاہری بیعت ضروری نہیں ہے حصول تصوف کے لئے قلبی تعلق جو ہے وہی بیعت ہے اگر ظاہری بیعت کوئی کرتا ہے چونکہ مسنون ہے مزید برکت ہو جاتی ہے ظاہری بیعت نہ بھی کرے اس کا قلبی تعلق جو ہے وہی کافی ہے وہی بیعت ہے اور ہمارے ہاں ہمارے مشائخ اویسیہ بیعت کرتے ہی نہیں تھے یہ تو اس زمانے میں آ کے ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ لوگوں میں یہی بے وقوفی ہے کہ کسی بے دین سے بھی ہاتھ ملا لیں تو پھر ساری عمر کے لئے ہر شعبے کی بیعت ہو جاتی ہے سائیکلو جیکلی ذہنی طور پر وہ مقید ہو کر رہ جاتا ہے یہ بھی نہیں پوچھتے جس سے ہم نے بیعت کی ہے کیا خود بھی دیندار ہے یا نہیں۔ آدمی بھی شریف ہے یا نہیں بس جی ہو گئی ہو گئی۔ بچہ تھا جی والدین نے کرا دی۔ اب یہ مرتے دم تک وہی ہے تو یہ مجبوری تھی کہ لوگ اس طرح بھٹک جاتے ہیں تو اس شعبے میں بیعت حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے آخری ایام میں آپ کی ذات سے شروع ہوئی ظاہری بیعت۔ ورنہ ظاہری بیعت کرتا

ہی کوئی نہیں تھا۔ ہم نے تو بیس بائیس سال بغیر ظاہری بیعت کے ہی اللہ اللہ سیکھی تو یہ چیزیں بے شمار دفعہ لکھی گئی ہیں دلائل السلوک سے لے کر چھوٹے چھوٹے رسالوں تک لکھی ہوئی ہیں تھوڑا سا پڑھنے کا بھی ذوق پیدا کیجئے۔

سوال : دوائر ثلاثہ کب کرائے جاتے ہیں؟

جواب : دوائر ثلاثہ کے بارے میں ابہام پایا جاتا ہے بعض کے نزدیک اقربیت پر ہو جاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ فنا فی الرسول کے بعد کرانے چاہئیں۔ سلوک میں بعض کی روایات نہیں ہوتیں۔ سلوک میں بات مانی جاتی ہے شیخ کی۔ سلوک میں کوئی روایت ایسی نہیں ہوتی کہ بعض یہ کہتے ہیں بعض وہ کہتے ہیں۔ سلوک میں ذمہ دار شیخ ہوتا ہے اور اسی ایک بندے کی بات چلتی ہے دوسرا اگر کوئی بتاتا ہے تو اسی کے حوالے سے بتا سکتا ہے کسی کی اپنی رائے اس میں کام نہیں کرتی۔ یہ بڑی مضبوط قسم کی ڈکٹیٹر شپ ہوتی ہے اس میں تو کرانے چاہئیں یا نہیں کرانے چاہئے کی بات نہیں ہوتی۔ طریق کار یہ ہوتا ہے کہ کسی کو مراقبات ثلاثہ ہو جائیں۔ اس میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ اسے ان کی فیلنگز یا ان کے محسوسات محسوس ہونے لگیں اللہ کشف دے دے اسے مشاہدات ہو جائیں تو کشف کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی ہر مقام کے انوارات نظر آتے ہیں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کبھی اپنا آپ وہاں نظر آتا ہے مقام نظر نہیں آتا۔ کبھی مقام نظر آتا ہے اپنا آپ نظر نہیں آتا۔ تو اس طرح سے مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں مشاہدات میں بھی ہر آدمی کی۔ اگر کسی کو مکمل مشاہدہ ہو جائے تو پھر اسے انوارات بھی نظر آتے ہیں وہ مقام بھی نظر آتا ہے اپنا آپ بھی وہاں نظر آتا ہے مراقبات ثلاثہ ہو جائیں تو استعداد ہو جاتی ہے وہ روح اس قابل ہو جاتی ہے کہ اسے سیر کعبہ اور فنا فی الرسول کرا دیا جائے مراقبات ثلاثہ نہ ہوں تو روح میں استعداد نہیں ہوتی کہ اسے یہ منازل کرائے جائیں۔ اس لئے ہوتا یہ ہے کہ جب مراقبات ثلاثہ کسی کو ہو جائیں اور وہ مضبوط ہو جائیں اور اس کی روح میں طاقت آ جائے تو پھر اسے سیر کعبہ اور فنا فی الرسول کرا دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد باقی مراقبات کراتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر کسی نے یہ سمجھا کہ اچھی بات ہے اقربیت کے بعد دوائر ثلاثہ بھی کر لئے جائیں تو یہ جو دوائر ثلاثہ ہیں۔ یہ راہ سلوک میں جتنی طاقت روح اخذ کرتی ہے۔ قوت پروازہ جتنی اخذ کرتی ہے وہ ان دوائر ثلاثہ سے سب سے زیادہ اخذ کرتی ہے۔

یہ مظہر ہے محبت الہیہ کا **یحبھم ویحبونہ**۔ اساس محبت رب کریم کی طرف ہے انسان جو محبت کرتا ہے وہ اس کا جواب ہوتا ہے۔ ایک فطری عمل ہے جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو وہ جواب میں آپ سے محبت ہی کرے گا۔ آپ ایک آدمی کو زبانی کلامی بڑی خوشامد کریں لیکن دل میں اس سے نفرت رکھیں تو وہ کبھی آپ کو اچھا نہیں سمجھے گا۔ ایک آدمی سے آپ لڑتے بھی رہیں لیکن دل سے اسے اچھا سمجھتے ہیں تو وہ لڑ بھڑ کر بھی آپ کو اچھا ہی سمجھے گا۔ یہ ایک فطری جواب ہوتا ہے قلب کی طرف سے۔ قلب کو دل را بدل راہیست جسے کہتے ہیں کہ دل دل سے اپنی ایک راہ ہوتی ہے وہ ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں تو اللہ سے محبت کرنا بندے میں یہ حوصلہ ہی نہیں ہے کیسے کرے گا محبت کرنے کے لئے یا تو وہ اس کی ایک جنس ہو یا وہ اسے سمجھ سکتا ہو دیکھ سکتا ہو یا اس سے بات کر سکتا ہو۔ کوئی تو ہو کوئی آسرا کوئی چیز جس پر اس کی محبت کی بنیاد ہو۔ تو انسانی استعداد جو ہے وہ علمی ہے یا عقلی ہے یا شعوری ہے یا روحانی یا فکری ہے اس ساری سے اللہ کی ذات ماوری ہے تو کیسے محبت کرے گا اس محبت کا سلیقہ ہی یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ کسی کو پسند فرماتے ہیں تو اللہ اس سے محبت کرتے ہیں اور جب اللہ محبت کرتا ہے تو جواب میں بندہ پھر محبت کے جواب میں محبت کرتا ہے۔ سمجھ پھر بھی نہیں پاتا اس کی ذات کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ محبت الہیہ کے انوارات آ رہے ہوتے ہیں تو اس کا دل ان انوارات کا جو جواب دیتا ہے وہ اللہ سے محبت ہوتی ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ **یحبھم ویحبونہ**۔ اللہ ان سے محبت کرتا ہے

اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو دوائر ثلاثہ میں جو تجلیات اور انوارات ہوتے ہیں وہ اسی محبت الہیہ کے ہوتے ہیں اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اصل روح کے جو پر نکلے ہیں جس طرح کسی پرندے کی اڑان بھرنے کے لئے بچپن کے بعد پر مکمل ہوتے ہیں پھر وہ اڑانے بھرتا ہے تو وہ یہ دوائر ثلاثہ ہیں پھر آگے روح جتنی بھی بلندیوں پر چلا جائے تو اس کی قوت پرواز کی اساس جو ہے وہ یہ ہوتے ہیں تو حضرت تلقین فرمایا کرتے تھے کہ پوری توجہ سے اور بہت محنت سے ان پر پوری طرح وقت لگایا کرو اور پوری محنت کیا کرو۔ اب اگر کسی صاحب مجاز کو یہ خیال گزرا کہ اس نے سمجھا کہ شاید دوائر ثلاثہ کرانے سے اس کی قوت پرواز بہتر ہو جائے گی۔ بہتر طور پر مراقبات کر سکے گا تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں جو اس نے پہلے کرا دیئے یا بعد میں کرا دیئے تو طریقہ یہ ہے کہ مراقبات ثلاثہ ہو جائیں تو استعداد ہو جاتی ہے روح میں پیدا۔ فنا فی الرسول کی اور سیر کعبہ کی۔ یہ جو مراقبہ احدیت ہوتا ہے اس سے پہلے رابطہ کرایا جاتا ہے جب آپ ذکر ختم کر کے قلب پر متوجہ ہو کے بیٹھتے ہیں تو قلب سے جو انوارات اٹھ کر عرش عظیم تک جاتے ہیں یہ رابطہ بنتا ہے ایک راستہ بنتا ہے ایک تعلق ایک لنگ اسٹیبلش ہو جاتا ہے اگر اللہ کریم مشاہدے کی طاقت دیں تو سفید روشن رنگ کے انوارات قلب سے اٹھتے ہیں اور عرش عظیم تک جاتے ہیں ایک لائن بنتی چلی جاتی ہے جب یہ اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اس پر روح سفر کر سکے تب توجہ دینے سے روح احدیت پر پہنچتی ہے احدیت کا مراقبہ ہو جاتا ایک بات میں آپ کو عرض کر دوں کہ مشائخ نے ہمیشہ جنہیں اللہ اللہ سکھائی انہیں خلوت کدوں میں رکھا تنہائیوں میں رکھا۔ جنگلوں میں نکل گئے کھانے پینے سے اجتناب کیا۔ رات رات بھر جاگے۔ کیوں؟ یہ ترقی درجات کے لئے ضروری نہیں ہے یہ مشاہدات کے لئے ضروری ہے کشف کے لئے ضروری ہے کہ آپ باتیں کم کریں لوگوں سے کم ملیں۔ کام کاج میں کم مصروف ہوں آپ کی پوری توجہ ایک طرف رہے اور کسی کے ملنے ملانے کے اثرات نہ ہوں کسی سے بات کرنے کے اثرات نہ ہوں تب جا کر مشاہدات جو ہیں وہ صاف ہو جاتے ہیں لیکن مقصود مشاہدات کا صاف ہونا نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ منشاء شریعت پر ارشاد باری پر سنت نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر عمل کیا جائے۔ یہ چیز مقصود ہے۔ منازل کی ترقی جو ہوتی ہے وہ اس عمل سے ہوتی ہے۔ گوشہ نشینی سے نہیں۔ بلکہ بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ مجبور ہو کر شہروں سے نکل گئے حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ جیسے عظیم اولیاء جو ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن جب سے وہ آبادیاں چھوڑ کر ویرانے میں جاگزیں ہوئے جس منصب اور جس مقام پر تشریف لے گئے تھے۔ اس سے آگے ترقی نہیں ہوئی وہ خواہ کتنا بڑا مقام ہو یہ ایک الگ بات ہے لیکن اس سے آگے کس بات پہ ہوتی۔ کسی سے ملنا نہیں۔ کسی سے بات نہیں کرنا کسی سے لینا دینا نہیں کوئی عمل نہیں کرنا تو کس بات پہ ہوتی۔ ترقی درجات ہوتی ہے احکام شریعت پر عمل کرنے سے۔ اور اصل مقصود ذکر الہی سے ہے وہ یہ ہے کہ وہ قوت دل میں پیدا ہو کہ خلاف شریعت عمل کرنے سے حیا آنے لگے۔ خوف محسوس ہو دکھ محسوس ہو کہ میرا نقصان ہو گا اور نقصان محسوس ہونے لگے۔ کہ بھئی جو مزا فجر کی نماز میں تھا فلاں بندے کو گالیاں دیں ظہر کی نماز میں وہ مزہ نہیں آیا۔ فیل (Feel) ہو پتہ چلے کہ کچھ نقصان ہوا ہے۔ یا فلاں ناجائز لقمہ کھا لیا تو بے مزہ ہو گیا ہوں یا فلاں اور یہ اس حد تک راسخ ہو جاتا ہے کہ حرام کھانے سے آدمی بیمار پڑ سکتا ہے جسمانی صحت خراب ہو جاتی ہے حلال کیا بلکہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بے نماز آدمی حلال بھی پکا کر دیتا تو کھانے سے طبیعت بگڑ جاتی تھی بھوکا رہنا پسند کر لیتے تھے بے نماز کا پکا ہوا نہیں کھاتے تھے۔ ہوٹل کی یا بازار کی کوئی چیز کھا سکتے نہیں تھے۔ یعنی اگر چاہیں بھی یا کھا بھی لیں تو بیمار پڑ جاتے تھے اس طرح کی کیفیتیں پیدا ہو جاتی ہیں اس سے۔ اور یہ مقصود ہیں کہ یہ گناہ میں ایک آڑ بنیں اور نیکی کا میلان

فطری اور طبعی طور پر اور دل میں ایک جذبہ ایک محبت۔ بھوک لگے نیکی کی۔ یہ چیزیں جو ہیں یہ ترقی درجات کا سبب ہیں۔ اللہ کریم جب کسی پر عطا فرماتا ہے راضی ہوتا ہے تو مراقبات کے لئے کوئی مدتیں یا عمریں نہیں چاہئیں۔ وہ ایک آن میں سارے منازل قرب کسی کو عطا کر دے تو کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ ترقی درجات یا ترقی منازل جو ہے از قسم ثمرات ہے یہ پھل ہے اور پھل کسی بھی چیز کا وہبی ہوتا ہے ہم جو عمل کرتے ہیں جو کسب کرتے ہیں اس کا نتیجہ ہوتا ہے اور نتیجہ وہبی ہوتا ہے ولایت کسبی ضرور ہے لیکن کسب کا تعلق ولائت سے منسلک رہنے میں ہے ترقی درجات جو ہے وہ ثمرات ہیں ہو سکتا ہے ایک آدمی ایک سال محنت کرتا رہے اس کو وہ درجہ نصیب نہ ہو جو ایک آدمی ایک سجدے میں پالے۔ یہ عطا اس کی ہے۔ ہم پچاس درخت لگاتے ہیں ہم پانی دے سکتے ہیں گوڈی کر سکتے ہیں رکھوالی کر سکتے ہیں لیکن ان پر پھل کتنا آئے گا یہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔ وہبی چیز ہے ہمارا اختیار ہے کہ ان کی دیکھ بھال کی جائے کانٹ چھانٹ کی جائے انہیں بچایا جائے انہیں پانی دیا جائے کھاد دی جائے یہ ہماری ذمہ داری ہے لیکن کس درخت پر کتنا پھل آئے گا یہ اس کی مرضی۔ یہ وہبی چیز ہے تو یہ جو درجات یا منازل ہیں یہ وہ پھل ہے ثمرات ہے ثمرات عطائی ہوتے ہیں وہبی ہوتے ہیں وہ اپنی مرضی سے عطا کرتا ہے تو بنیادی جو فلسفہ ہے ترقی درجات کا وہ یہ ہے کہ جتنا بھی آپ سنت خیر الانام کے تابع ہوتے چلے جائیں گے جتنا بھی بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوتا چلا جائے گا اتنی ہی ترقی درجات آج نہ سہی کل سہی کوئی ضروری تو نہیں کہ اسے آج ہی چاہئے آج نہ سہی کل سہی۔ لیکن اسے نصیب ہو گی تو اس فن کا یا سلوک کا یا اس شعبے کا حاصل ہی یہ ہے کہ عملی زندگی اور ہمارے ہاں جو مشاہدات یہ ہوتے ہیں محض اللہ کی عطا ہے ورنہ ہم تو ہر بندے کو بازار میں میدان عمل میں ملازمت میں کاروبار میں اپنی کھیتی جہاں وہ ہے وہاں اسے ہم زیادہ مصروف رہنے کی تلقین

کرتے ہیں کہ جہاں وہ وہاں ثابت کرو کہ شریعت کے مطابق یہاں کام کیا جا سکتا ہے تو یہ چیزیں اثر پیدا کرتی ہیں مشاہدات پر۔ مشاہدات میں کمی آ جاتی ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ آدمی کی فیلنگز ہی جاتی رہیں یا محسوس ہی نہ کر سکے کیا ہوا کہ وہ روز روشن کی طرح نہیں دیکھتا نہ دیکھے محسوس ہوتا رہے کہ برائی بڑی چیز ہے اس کی تلخی کڑواہٹ بھلائی کی لذت یہ محسوس ہوتی رہیں تو یہ بہت بڑی بات ہے اتنی ہی بڑی غنیمت ہے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے سولہ برس لگائے لطائف سیکھنے پر اور سولہ برس تک دوسرے بندے کو یہ نہیں بتایا کہ میں لطائف کرتا ہوں اور لطائف کرنے کا بھی جو آپ کا اندازہ ہوتا تھا وہ یوں ہوتا تھا کہ مغرب سے عشاء تک۔ عشاء اپنی مرضی سے پڑھنی تنہا آگے وہاں جنگل میں ہوتے تھے۔ تہجد سے لے کر فجر تک پھر فجر سے چاشت تک پھر ظہر سے عصر تک یہ سارے معمولات تھے اور کام ہی کوئی نہیں اس میں بھی سولہ برس لگ گئے۔ سولہ برس کے بعد کچھ مراقبات شروع ہوئے تو بیس برس کی مدت کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ کچھ ہے وہ جب کچھ ہے محسوس ہوا تو اس میں اور لذت آئی تو واپس گھر آ گئے۔ گھر بھی مطالعہ کیا عبادت کی ذکر کرتے رہے اس کے علاوہ کچھ نہیں کرتے تھے۔ کھانے پینے کو مل جاتا تھا زمیندار آدمی تھے۔ اتنا غلہ آ جاتا تھا کہ گزارہ ہو جاتا۔ جب آپ کے منازل بفضل اللہ بلندی کو جوں جوں گئے تو آپ جوں جوں تنہائی میں یا اس میں چلتے گئے اور آخری عمر تک فرماتے تھے ان دوستوں کو یاد ہو گا جو پاس بیٹھے رہتے ہیں کہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں ہوں اور کوئی مجھے چھیڑنے والا نہ ہو کوئی بندہ نہ ہو صرف اللہ اللہ کرتا رہوں لیکن مجبور ہوں حکم کا۔ اتباع شریعت کا۔ کام کرنے کا تو فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے اس حال میں مگن تھا لوگوں سے نہیں ملنا بات کسی سے نہیں کرنی۔ رات دن اللہ اللہ ہی کرنی ہے میں فنا فی الرسول میں حاضر تھا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے فرما رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ

دنیوی حیات میں بھی یہی تھی کہ اگر کسی بندے کی اصلاح مقصود ہوتی تو کسی دوسرے کو مخاطب فرما کر فرما دیتے کہ یہ کام ایسے نہیں ایسے کرنا چاہئے یا لوگوں کو چاہئے کہ ایسا نہ کرے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی سے گفتگو فرما رہے تھے اس اثناء میں گفتگو میں فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمانے لگے کہ بھئی دیکھو ایسا دور آ گیا کہ لوگ میرے صحابہ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور دین اسلام کی عمارت جو ہے اس میں پتھروں کی جگہ ان کی ہڈیاں خرچ ہوئی ہیں اور اس میں گارے کی جگہ ان کا گوشت لگا ہے۔ اس میں پانی نہیں اس میں میرے صحابہ کا خون لگا ہے اس طرح سے یہ تعمیر ہوئی ہے دین کی عمارت۔ اب لوگ سر عام ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور جاننے والے گوشہ نشین ہو گئے کہ ہمارے مشاہدات خراب نہ ہوں تو پھر کل قیامت کو بات ہو گی کہ مشاہدات اور کشف ضروری تھا یا اس کا دفاع ضروری تھا تو وہاں سے اٹھ کر آپ پھر میدان میں آ گئے اور ساری عمر اس موضوع پہ مقابلے کرتے مناظرے کرتے اب ایک صوفی کے لئے جس نے رات بھر اللہ اللہ کرنی ہو مناظرہ کرنا کتنی مشکل بات ہے مناظرے میں ہمارے ہاں دلائل نہیں ہوتے ہمارے ہاں مناظرے میں خرافات ہوتی ہیں مناظرے کے جج ہوتے ہیں سننے والے لوگ عام۔ تو علماء حضرات بھی ایسی باتیں کرتے ہیں جس سے سننے والے شابا شابا کریں ان میں علمیت کم ہوتی ہے اور حجت بازی اور خرافات زیادہ ہوتی ہیں تو کئی مناظرے مجھے یاد ہیں حیرت ہوتی ہے کہ پڑھے لکھے لوگ ایسی باتیں کر جاتے ہیں تو ساری عمر آپ نے مناظروں میں گزاری پریشانیاں خرابیاں پھر اس وقت سفر کی سہولتیں نہیں تھیں پیدل کہیں گھوڑے کی پیٹھ پر کہیں پیدل کہیں موٹر ملی تو موٹریں بھی اس زمانے میں پھٹیچر ہوا کرتی تھیں سڑکوں پر میلوں گرد اڑتی تھی ایک موٹر گزر جاتی تھی تو سفر آسان نہیں تھے۔ لیکن پھر ساری عمر آپ کی اس میں گزری اور فرماتے تھے کہ جو کوئی بھی صفائی کرنا چاہے گا تو کسی مکان کی جھاڑ پونچھ کرے یا کسی گلی سے جھاڑو دے تو صفائی کرنے والوں کے کپڑوں پر گرد ضرور جمے گی جگہ صاف ہو جائے گی لیکن اس پر گرد زور جمے گی تو جس وقت معاشرے میں اصلاح کا کام کیا جاتا ہے تو کرنے والے پر جو گرد آتی ہے وہ اس کے مشاہدات کو تو مجروح کرتی ہے اس کے منازل میں ترقی ہوتی ہے درجات میں ترقی ہوتی ہے تو تب سے ہمارا طریق یہی ہے کہ ہم نے محض حصول کشف کے لئے یا محض مشاہدات کے لئے احباب کو عملی زندگی سے الگ نہیں کیا نہ کبھی کسی کو الگ ہونے کا مشورہ دیا ہے ہمیشہ مشاہدات کم ہوتے ہیں لیکن پھر بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی مشاہدات ہوتے ہیں اور اللہ کریم محسوسات ضرور دے دیتے ہیں وجدان ضرور دے دیتے ہیں۔ حق و باطل کی تمیز۔ نیکی پہ انبساط اور خوشی اور گناہ کے صدور پہ دکھ کا ہونا یہ احساس خواہ مخواہ ہر ساتھی کو مل جاتا ہے تو یہ اصل نعمت ہے اللہ کریم نصیب فرمائے۔

سوال : دوران اجتماع اپنا وقت کس طرح گذارنا چاہئے؟

جواب : جو وقت آپ کو یہاں نصیب ہوتا ہے اسے پوری احتیاط سے کم از کم دو دن چار دن ایک ہفتہ دس دن جو ہے اسے آپ ایک ایک لمحے کا حساب کر کے صرف کریں اور کوشش کریں کہ کوئی لمحہ وہ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ یہ آپ کے پاس کہیں سال میں چند دن ہوتے ہیں انہیں تلاوت میں تسبیحات میں کسی نہ کسی طرح سے ذکر الٰہی چلتا رہے اور پوری طرح متوجہ ہو کر لطائف کیا کریں پوری طرح متوجہ ہو کر مراقبات کیا کریں اور ایک بات اور میں ضرور عرض کر دوں بعض لوگوں کو میں توجہ دے دیتا ہوں بعض لوگوں کو کچھ احباب مجاز ہیں توجہ دے دیتے ہیں مقامات کرا دیتے ہیں مراقبات اس سے ہوتا یہ ہے کہ ان کی روح پرواز کر سکتی ہے۔ اس مقام تک۔ یا اس مراقبے کو وہ ایک دفعہ سیکھ لیتی ہے کر سکتی ہے لیکن حاوی نہیں ہوتے اس پر۔ عبور نہیں ہوتا۔ خود کو سمجھ نہیں آتی۔ اب اس میں وہ پوچھتے پھرتے ہوتے ہیں فلاں بھئی تم چیک کر دو میرا مراقبہ

صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے اس پہ اتنی محنت کرو کہ خود تمہیں محسوس ہونے لگے کہ اب یہ مراقبہ مجھے ہو گیا ہے چیک کرنے والے کے کہنے سے نہیں ہو گا یا یہ پوچھنے سے نہیں ہو گا کہ جناب فنا بقا میں کیا سوچنا ہے کیا محسوس کرنا ہے جب محسوس ہوتا ہے تو پوچھنا پڑتا ہے کیا محسوس کرنا چاہیے۔ بندہ بتاتا ہے کہ میں یہ محسوس کر رہا ہوں جیسے سردی لگتی ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے سردی لگ رہی ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے سردی لگ رہی ہے جیسے گرمی محسوس ہوتی ہے وہ اسے یہ سوچنا نہیں پڑتا کہ میں سوچوں کہ گرمی لگ رہی ہے۔ گرمی جب لگتی ہے تو منہ سے نکلوا دیتی ہے کہ گرمی لگ رہی ہے اسی طرح یہ ضروری نہیں کہ اسے مراقبہ ہی نہیں ہوا توجہ دی۔ اس میں استعداد ہو گئی یا ایک آدھ بار اگر اس نے کرا بھی دیا اگر۔ تو اب اسے چاہیے کہ اس پہ اتنی محنت کرے کہ پھر اسے کسی دوسرے سے پوچھنا نہ پڑے اتنا وقت لگائے اس پر کہ خود اسے اس میں محسوس کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ یہ اسی طرح ہوتا ہے جیسے ایک لیکچرار لیکچر دے دیتا ہے یا ایک استاد ایک چیپٹر پڑھا دیتا ہے یا ایک استاد آپ کو ہسٹری کا ایک سبق نوٹ کرا دیتا ہے وہ نوٹ ہو گیا اس نے پڑھا دیا پڑھا گیا ایک لیکچرار نے ایک لیکچر دیا ہو گا لیکن وہ آپ کا اپنا تب ہی ہو گا جب آپ اسے پانچ چھ دفعہ پھر بیٹھ کر مطالعہ کریں گے دو چار دفعہ دیکھیں گے وہ تب آپ کا اپنا ہو گا جب خود آپ کو بھی ازبر ہو جائے گا اب اگر ایک چیپٹر پڑھ کے ایک طالب کہے کہ اس چیپٹر کے بارے میں کیا سوچوں مجھے آتا ہے کہ نہیں آتا۔ یا تم مجھے بتاؤ کہ آتا ہے کہ نہیں تو یہ تو کوئی بات نہ ہوئی اس پہ خود اتنی محنت کی جائے اس پہ مہینہ لگے دس دن لگیں سال لگ جائے عمر لگ جائے۔ عمر اور ہے کس کام کے لئے۔ لگ جائے اسی مقصد کے لئے قرب الٰہی کو پانے کے لئے تو ہے۔ تو اس راہ میں لگ جائے تو مقصد تو پورا ہو گیا اللہ کے قرب کی طلب میں اگر موت آ جائے تو اور چاہئے کیا۔ یہ تو بڑا بہانہ ہے نجات کا بھی۔ ترقی درجات کا بھی۔ کہ میں تو چل رہا تھا یا اللہ جو چل سکتا تھا تو یہاں تھوڑا سا آپ کو وہ ماحول میسر ہوتا ہے کہ آپ اپنے کام کاج سے فرصت لے کے لوگوں سے ملنے ملانے سے تو یہاں بھی اگر بیٹھ کر آپ ایک دوسرے کے دنیوی دکھ اور ایک دوسرے کی دنیوی تکلیفیں ڈسکس کرتے رہے یا وقت گپ شپ میں نکلتا رہا تو وہ بات نہیں بنے گی۔ "دل زیر گفتن میرد در بدن گرچہ گفتارش بود در عدن" باتیں اچھی بھی کی جائیں تو زیادہ باتیں کرنے سے دل کی آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں۔ کھلتی نہیں ہیں تو یہاں جو وقت ملے اسے اللہ کی مہربانی سے پورے خلوص کے ساتھ کوشش کریں باتیں کم کریں دنیوی بکھیڑوں کو کچھ دیر کے لئے چھوڑ دیں یہاں بیٹھ کر آپ ایک دوسرے سے ڈسکس کر کے اس کا کچھ نہیں کر سکتے جو جہاں رہ گیا اسے وہاں چھوڑ دیں۔ میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ جب لوگ آؤٹنگ پہ یا پکنک پہ نکل جاتے ہیں وہ دنیا کی ساری مصیبتیں چھوڑ جاتے ہیں۔ وہاں جنگل میں انجائے کر رہے ہوتے ہیں پرواہ نہیں کرتے کیا تھا یا کیا نہیں تھا۔ واپس آئیں گے تو دیکھیں گے کہ کون سا کام کہاں چھوڑ آئے تھے تو کم از کم بندہ اتنا فارغ تو دنیا سے ہو جائے کہ جب یہاں آئے تو پھر وہ جب ایک کام سے دو دن چار دن چھ دن کی چھٹی کر کے آئے تو پھر وہ دو چار چھ دن اس کام کو جسے کر نہیں رہا اسے ڈسکس بھی نہ کرے۔ اس کو ڈسکس کرے جسے کرنے کے لئے آیا ہے جسے کر رہا ہے اپنی پوری توجہ اس پہ لگائے تو جتنی جتنی بحمد اللہ توجہ ہوتی ہے اتنی اتنی برکات اتنی کیفیات نصیب ہوتی چلی جاتی ہیں۔

سوال : اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ چونکہ انسانوں کو ہدایت فرمانی مقصود ہے اس لئے نبی بھی انسان ہوں گے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنوں کو ہدایت فرمانے کے لئے بھی تو جنوں میں ہی نبی ہونے چاہئیں تھے لیکن ایسا قرآن پاک سے کہیں بھی نہیں ملتا جبکہ جن مخلوق انسانوں سے پہلے بنائی گئی ہے کیونکہ شیطان نے اطاعت سے انکار کیا اور وہ جنوں میں سے تھا؟ (افتخار احمد بٹ گوجرانوالہ)

جواب: نبوت وہ انعام ہے جو صرف انسانیت کے سر کا تاج ہے اور اللہ جل شانہ نے یہ نعمت عظمیٰ صرف انسانوں کو مرحمت فرمائی کہ انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کی روح "امر ربی" سے ہے اور معرفت الٰہی اسی کا کمال بھی اسی کو حاصل ہے نیز حیات دائمی بھی اسی کا خاصہ ہے کہ قرآن حکیم میں جنات کے لئے عذاب کی وعید تو ہے مگر جنت کی بشارت نہیں بلکہ صرف یہ اشارے ہے کہ **یجرکم من عذاب الیم۔** (   ) کہ جو اطاعت کرے گا وہ عذاب سے نجات حاصل کرے گا جس پر مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ نجات پانے والے جن فنا کر دیئے جائیں گے اور عذاب والے اپنے حصے کا عذاب پا کر فنا ہو جائیں گے جنت کا وعدہ اور حیات دائمی ان سے نہیں ہے بعض حضرات نے سورہ الرحمٰن کی آیت "کہ حوروں کو پہلے سے کسی جن یا انسان نے چھوا نہ ہو گا۔" ترجمہ سے استدلال کیا ہے کہ اگر جنوں نے جنت میں نہیں جانا تو پھر اس کا مطلب کیا ہے تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ خطاب انسانوں سے دنیا میں ہے اور اگر عادت ایسی نہیں مگر بعض اوقات انسانی عورتوں کو جن چھو لیتے ہیں اس لئے یہاں جنوں کا ذکر بھی کر دیا گیا کہ شبہ نہ رہے ورنہ جہاں انسانوں کو ایمان کے بدلے جنت کا داخلہ بتایا گیا ہے ضرور جنوں کے لئے بھی واضح کر دیا جاتا نیز جنات آج بھی کیفیات و انوارات قلبی برداشت نہیں کر سکتے جس کا معنی ہے ان کی اطاعت بھی محض اطاعت ہے اور معرفت کی ان کیفیات سے خالی ہے جو بطفیل نبوت انسانوں کو نصیب ہوئیں۔ رہی بات ہدایت کی تو یہ ایسی مخلوق ہیں جو خود بھی غیر مرئی ہیں اور غیر مرئی مخلوق یعنی فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں سن سکتے ہیں لہٰذا متقدمین کے مطابق ان کی ہدایت کے لئے فرشتے آتے ان کو احکام اور طریقہ بتاتے کسی کو سردار مقرر کر دیتے پھر جب بگاڑ پیدا ہوتا تو پھر آتے سرکشوں کو مارتے دوسروں کو راہ پہ لگا جاتے جس میں بعد میں ابلیس جو جنوں میں سے تھا عبادت کرتے کرتے فرشتوں میں شامل ہوا اور اس کام کے لئے بھی مامور ہوا کرتا تھا۔

ملک | فوج | بہ | تفاخر | زراہ
فلک | بر | گہہ | بود | زمین | بر | گہے

یہ شعر اسی حال کو بیان کر رہا ہے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیبعثن اللہ اقواماً یوم القیامۃ فی وجوھھم النور علی منابر اللؤلؤ یغبطھم الناس لیسوا بانبیاء ولا شھداء فقال اعرابی حلھم لنا نعرفھم قال ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونہ (احمد و الطبرانی)

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ایک ایسی جماعت کو اٹھا کر سامنے لائے گا جن کے چہرے منور ہوں ہوں گے اور وہ موتیوں سے مزین منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ لوگ ان پر رشک کریں گے۔ وہ لوگ نہ انبیاء نہ شہدا۔ ایک اعرابی نے عرض کیا۔
حضورؐ! اس کی وضاحت فرما دیں تاکہ ہم انہیں پہچان لیں۔ فرمایا۔ وہ مختلف قبائل سے اللہ کے لئے باہمی محبت کے جذبہ کے تحت جمع ہو کر ذکر الٰہی کرنے والے لوگ ہیں۔

کیا یہ آپ ہیں؟

یہ بات واضح ہے رہے کہ جب بھی کوئی جماعت بڑھتی ہے تو اس کی بنیاد کتنے بھی خلوص سے رکھی جائے اس میں دنیا دار ضرور شامل ہونے لگتے ہیں۔ حتی کہ مدینہ منورہ میں جب مسلمان ایک طاقت بن کر ابھرے تو چند منافقین بھی دنیا حاصل کرنے کو ساتھ ہو گئے۔ جن کا وجود مکی زندگی میں نہ تھا۔ اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ یہ جماعت اور سلسلہ محض مخلصین پر مشتمل نہیں رہا۔ بلکہ چند لوگ اب دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے بھی شامل ہو گئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ مخلصین کے ساتھ منافقین کا گروہ بھی بڑھتا رہے گا۔ اللہ کریم ایسے لوگوں کو بھی ہدایت دے اور سلسلہ عالیہ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

سب سے زیادہ نقصان ایسے لوگ ساہ لوح مخلصین کو پہنچاتے ہیں اور انہیں ادارہ کے کارکنوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہوتی ہے کہ کارکن ان کی من مانیوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور حد یہ ہے کہ یہ لوگ مخلصین میں بیٹھ کر میرے ساتھ بڑی گہری عقیدت اور وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے نہ صرف کارکنوں کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی زہریلی باتوں کا اصل بندہ ہی کی ذات ہوتی ہے۔ (شیخ المکرّم مدظلہ)